An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगजीन।

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:91 ماہ جولائی 2020ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW
(M) 0044-7886-304637, 0044-2089449385
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

آن لائن مشاعرہ

(رپورٹ صفحہ 6 پر ملاحظہ فرمائیں)

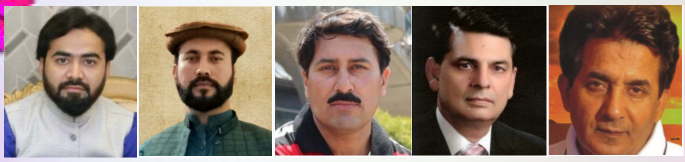

Earlsfield
Properties
Professional Residential
Property Management
Services
We will manage your
property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.
Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.
Get it Right
✓ Member National Landlord Association
✓ Member Deposit Portection Schemes
✓ Member The Property Ombudsman Scheme
✓ Winner of Pakistan Achievement Award 2014
(Excellence Management)
✓ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.
1
PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)
175 Merton Road, London SW18 5EF
Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔'' قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔میگزین کے مندرجات پر آپ کے کمنٹ یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ'' کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔

شکریہ E-mail: ranarazzaq52@gmail.com

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated) Chief Editor.

فہرست مضامین

اپنی ہمدردی کو عملی جامعہ پہنائیں	رانا عبدالرزاق خان	4
قندیل شعروسخن لندن کے زیر اہتمام آن لائن مشاعرہ	عاصی صحرائی	5
غزلیات: اطہر حفیظ فراز، فرزانہ فرحت، امام بخش ناسخ، منیر نیازی، بسم اللہ کلیم، حبیب جالب، ساجد محمود رانا، طاہر عدیم، عاصی صحرائی، عبدالرزاق بیگل، مبارک صدیقی، سید محسن نقوی، ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ، طارق تاسی، م ش عالم حیدرآباد، اورگ زیب، حکیم ناصر، عامر حسنی ملائشیاء، حفیظ جالندھری، عبیداللہ علیم، حفیظ جونپوری، سدا اعوان، عمر تنہا، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، حمیر حیدر، مہان سانول نیازی، راحت اندوری، عمر تنہا، ڈاکٹر مقصود جعفری، زیب النساء زیبی، ندیم ملک، اسد اعوان، اعظیم نوید، عامر سہیل، سید فرخ علی جاوید، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، شہزادہ قمر الدین مبشر، اسحاق ساجد، عبدالحمید حمیدی، راجہ مہدی علی خان، بسم اللہ کلیم		6 تا 17
امریکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار	مبشر زیدی	18
پڑھیئے اور سر دھنئے	ادارہ	19
منشا یاد کے افسانوں میں دیہی معاشرت	محمد نعیم یاد	20
اردو لکھنے میں کی جانے والی 12 غلطیاں	رضوان طاہر مبین	23
وہ اشعار جو علامہ اقبال کے نہیں ہیں	ڈاکٹر محمد الیاس عاجز	24
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں	منیر نیاز	26
جستہ جستہ	عطاء القدیر طاہر	26
قائداعظم محمد علی جناح کے نام کھلا خط	عادل بٹ سیسکا ٹون کینیڈا	26
اقبال غالب اور فیض ہم آپ سے شرمندہ ہیں!!	ادارہ	28
مراثی کی مختصر تاریخ	سید حسن خان لندن	29
سال 2020 یعنی آج سال 2120 یعنی کل	غـزالہ انجم	30
بے وجہ گھر سے نکلنے کی ضرورت کیا ہے	ادارہ	30
تبصرہ کتب	ادارہ	31
لدیپ نائر۔جس کی ایک زندگی کافی نہیں تھی	نعیم یاد جوہر آباد پاکستان	32
اُردو کا فوری اور مکمل نفاذ	پروفیسر محمد سلیم ہاشمی	34
آدم چغتائی جو واقعی ایک شاعر تھا	رانا عبدالرزاق خان	35
بوڑھا مرداور محبت	رجل خوشاب	36
بچپن کے دن	عاصی صحرائی	37
محدث اُمت امام محمد طاہرؒ گجراتی	ادارہ	38
منافقت سے چھٹکارا	جمیل احمد بٹ	39
غزل	ارمان عثمانی	40
پاکستان: عطاءاللہ شاہ بخاری سے ڈاکٹر عارف علوی تک	طارق احمد مرزا	41

اپنی ہمدردی کو عملی جامہ پہنائیں

قندیل ادب انٹرنیشنل ایک ایسا رسالہ ہے جس میں بلاتفریق مذہب وملت سب کے شہ پارے شائع کئے جاتے ہیں۔ یہ شمارہ نمبر 91 ہے۔ دوصد ممالک میں یہ پڑھا جاتا ہے۔ اس کی ترسیل بذریعہ ویب سائٹ، ای میل، اور سب ذرائع سے کی جاتی ہے۔ اس وقت اس کو دس لاکھ سے زائد قارئین پڑھتے ہیں۔ اس کی فیڈ بیک سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ہر ملک میں جہاں اردو ادب کے پڑھنے والے موجود ہیں وہاں وہاں یہ پڑھا جاتا ہے۔ وٹس ایپ پر بھی پانچ ہزار احباب کو خاکسار خود ارسال کرتا ہے۔ برطانیہ میں اس کو پرنٹ کر کے ہزاروں کی تعداد میں پوسٹ کیا جاتا ہے۔ آپ اپنے کلام اور شہ پارے ارسال کریں۔ مگر ورڈ یا ان پیج میں۔ اگر پی ڈی ایف میں آپ ارسال کریں گے تو ان کی کمپوزنگ کروانی پڑتی ہے۔ اور اس طرح دیر ہو جاتی ہے اور اس پر خرچ بھی ہوتا ہے۔ جو کہ آپ نہیں ارسال کرتے۔ آپ کی کوئی بھی چیز معیاری اور مختصر ہو ضرور شائع کی جائے گی۔ یہ آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ کئی دوست احباب کئی سال سے اسے پڑھ رہے ہیں۔ مگر حوصلہ افزائی کے لئے بھی انہوں نے ایک پائی بھی میرے اکاؤنٹ میں کبھی نہیں ڈالی۔ جبکہ اکاؤنٹ نمبر ہر قندیل میں درج ہوتا ہے۔ خاکسار آٹھ سال سے اس کی کمپوزنگ، ڈیزائننگ، پرنٹنگ پر اپنی جیب سے ادا کر رہا ہے۔ اشتہارات سے کوئی مناسب رقم موصول نہیں ہو رہی۔

لہٰذا مخیر حضرات سے تعاون کی اپیل ہے۔ کئی رسالے اسی کمزوری کی وجہ سے پہلے ہی بند ہو چکے ہیں۔ اور بے حس لوگ تماشہ دیکھ کر خاموش رہتے ہیں۔ آخر آپ اردو ادب کی کیا خدمت کر رہے ہیں۔ کوئی بھی ادارہ اس طرح مسلسل چل نہیں سکتا۔ اگر آپ کو اردو ادب سے محبت ہے تو براہ مہربانی تعاون کریں۔ بے شک ماہانہ ایک پونڈ ہی ڈالیں۔ خدمت میں حصہ لیں اور اپنے ضمیر کو جگائیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو صحت مند رکھے آمین۔

(رانا عبدالرزاق خان)

”اِسلامی دُنیا کی مایہ ناز شخصیت“

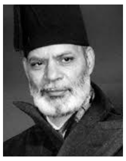

حُسنِ اخلاق کے بہترین مظاہرے پر مصری اخبار نویس درطہ حیرت میں ڈاکٹر محمد دین تاثیر جو پاکستان کے وفد کے ہمراہ لیک سیکس بھی گئے تھے اسلامی کونسل میں کشمیر پر بحث کے متعلق اپنے مشاہدات وتاثرات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اسلامی ممالک میں پاکستان کا نام بہت سر بلند ہے فلسطین کے مسئلہ پر پاکستان کے نمائندہ سر ظفراللہ خاں نے مجلس اقوام میں جو کام کیا۔ اُسکی بدولت ہمیں عرب ممالک میں بڑے بھائی کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہاں کے لوگ کشمیر کے مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ نیو یارک میں ایک مصری اخبار نویس کی گرم دلی کا تو یہ حال تھا کہ جب سر ظفراللہ نے ایک دو تقریروں میں شیخ عبداللہ کا نام رسمی ادب وآداب سے لیا تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تاثیر صاحب! سر ظفراللہ خاں بہت بڑے آدمی ہیں۔ اسلامی دنیا کے لئے مایہ ناز ہیں مجلس اقوام کے طور طریقوں کے ماہر ہیں۔ مگر گستاخی معاف آپ اُن سے کہیے کہ وہ شیخ عبداللہ کا یا تو نام نہ لیں یا انہیں واضح طور پر غدّار کہیں۔ میں نے جب سر ظفراللہ خاں کو پیغام دیا۔ تو وہ کہنے لگے۔ بھائی غدّار کہنے سے بہتر یہ ہے کہ غدّار ثابت کیا جائے۔ ہم کیوں زبان خراب کریں۔ لوگ خود انہیں غدّار کہینگے۔ اور سر ظفراللہ کی تقریروں میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بڑے سبھاؤ سے شیریں کلامی سے کام لیتے تھے بڑی معقولیت اور صلح پسندی سے بات کرتے تھے اور میرے سامنے سلامتی کونسل کے قریباً ہر رُکن نے انکی جادو بیانی اور میانہ روی کی تعریف کی۔

مودبانہ گزارش:: قارئین سے گزارش ہے کہ دسمبر ۲۰۱۹ء سے تمام قارئین کا ماہانہ چندہ ختم ہوگیا ہے۔ فی کاپی دو پونڈ اور بذریعہ ڈاک اگر ارسال کیا جائے تو تین پونڈ بن جاتے ہیں۔ براہ کرم اس کی ادائیگی ضرور کریں۔ اس کی تیاری کمپوزنگ، ڈیزائننگ، پرنٹنگ پر کافی اخراجات ہوتے ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں رقم ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ جزاکم اللہ

HSBC London UK A/C 04726979
Sort Code 400500
رانا عبدالرزاق خان لندن (M) 0044-7886-304637, 02089449385

قندیل شعر و سخن لندن کے زیر اہتمام
آن لائن عالمی مشاعرہ

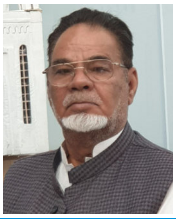

رپورٹ:
عاصی صحرائی

مورخہ ۷ جون ۲۰۲۰ کو قندیل شعر و سخن آن لائن انٹرنیشنل مشاعرہ کا انعقاد ہوا۔ جس کی صدارت جناب ہز ایکسلنسی ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب نے کی ۔ مہمانان خصوصی محترم مبارک احمد صدیقی لندن، پروفیسر عبدالکریم لاہور، سید نصیر احمد شاہ برمنگھم، عبدالکریم قدسی امریکہ، تھے ۔ شعرا کرام جنہوں نے مختلف مما لک سے حصہ لیا۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں ۔ پروفیسر اعظم نوید کنیڈا، اسحاق عاجز جرمنی، شائق نصیر پوری لندن، پروفیسر عبدالقدیر کوکب، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، خواجہ عبدالمومن ناروے، عبدالجلیل عباد جرمنی، اسحاق ساجد جرمنی، بشارت ریحان کنیڈا، حافظ عبدالحلیم خاں ربوہ، بابر عطاء کنیڈا، اطہر حفیظ فراز سیالکوٹ، حافظ محمد مبرور، راولپنڈی، شہزادہ قمرالدین گلاسگو، داؤد احمد قریشی گلاسگو، عبدالحمید حمیدی کنیڈا، اعجا احمد شاہ، سعید قریشی، طارق صفدر، انصر رضا کنیڈا، شعیب ناصر کنیڈا، کرامت راج کنیڈا، عبدالحئی بشارت کنیڈا، عاصی صحرائی۔ اس کی نظامت پہلے مرحلے میں مبارک صدیقی صاحب نے کی اس کے رانا عبدالرزاق خان نے اس منصب کا حق ادا کیا۔ کنیڈا سے عبدالحمید حمیدی بھی معاون رہے ۔ کئی شعراء اس جدید آن لائن مشاعرے کے طریقہ کار کی سوجھ بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے محروم رہے ۔ کچھ تعطل کا بھی شکار ہوئے مگر تقریباً پھر بھی مشاعرہ کامیاب رہا۔

سب شعراء نے بہت ہی خوبصورت کلام پیش کیا۔ کئی شاعروں نے تو سر بھی جگائے ۔ اور محفل مشاعرہ کو ایسا پر رونق بنایا کہ سب ہی گنگنا اُٹھے اور سب نے ان کی تعریف کی ۔ مبارک صدیقی نے اپنے کلام سے حسب روایت ایک سماں باندھ دیا، منور احمد کنڈے نے اپنی نظم گوئی کا بہترین رنگ میں مظاہرہ کیا کہ سب عش عش کر اُٹھے ۔ پروفیسر عبدالکریم خالد پہلی بار ہمارے مشاعرے میں رونق افروز ہوئے، انہوں نے بھی اپنے بہترین کلام سے نوازا۔ عبدالکریم قدسی صاحب نے امریکہ سے ہمیں جائن کیا اور منفرد کلام سنایا۔ آخر میں ہمارے پیارے صدر مجلس مشاعرہ جناب ہز ایکسلنسی ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب نے پہلے تقریر سے سب کو نصائح کیں اور توصیف سے بھی نوازا۔ پھر ایک منتخبہ کلام سے محفل کو گرمایا۔ یہ چار گھنٹے پر آن لائن مشاعرہ تیس شاملین پر مشتمل صدر صاحب مجلس کی دعا پر ختم ہوا۔ خاکسار سب شاملین کا طے دل سے مشکور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اردو ادب کی خدمت کی اسی طرح توفیق دیتا رہے آمین۔

***

غزلیات

اطہر حفیظ فراز

چمن میں تیری خوشبو کی اگر بھر مار ہو جائے
سبھی کلیوں کی آپس میں بحث، تکرار ہو جائے
یہ جیون بھی مرے پیارے!! دکھوں پہ دکھ پروتا ہے
پرانے غم سے نکلیں تو نیا تیار ہو جائے
جسے چاہے عطا کر دے، جسے چاہے جدا کر دے
دلِ کافر قبیلے کا اگر سردار ہو جائے
وہ ناؤ سر پھری لہروں میں دریا پار کرتی ہے
خدا جس ناؤ کا خود ہی اگر پتوار ہو جائے
کوئی تارا، کوئی جگنو، کوئی چندا، کوئی خوشبو،
مری گمنام ہستی میں کوئی کردار ہو جائے
یہاں پر کون ہے ساری غزل کو جو سراہے گا
فقط اک شعر کافی ہے اگر شاہکار ہو جائے
وہ کیا بولا تھا میں نے؟؟ ہاں!! مجھے پھر یاد آیا ہے،
کوئی نظرِ کرم مجھ پر مری سرکار!! ہو جائے
اجی یہ عشق ہے صاحب!! کوئی بیعت یہ تھوڑی ہے،
کسی سے ہو بھی سکتا ہے اگر اک بار ہو جائے
کہیں پر رات کی رانی، کہیں غنچے، کہیں کلیاں،
کہیں ایسا نہ ہو دل پر مرے یلغار ہو جائے
زمانہ ہے، زمانے کا کہاں تم کو پتہ جاناں!!
جسے گمنام سمجھو گے، وہ گر اخبار ہو جائے
محبت ساتھ چلتی ہو تو پتھر پھول لگتے ہیں،
اکیلے میں رہِ گل بھی بہت دشوار ہو جائے
یہ دنیا کس قیامت کی خبر سن کر پریشاں ہے،
وہ جو اس پار ہونا ہے، ذرا اس پار ہو جائے
نہ میں غالب، نہ حالی ہوں، نہ سودا ہوں، نہ میر و درد،
تمنا پھر بھی ہے میری غزل معیار ہو جائے
سمندر ہوں، ستارہ ہوں، فراز!! اس کو کوئی کہہ دے،
جسے خاموش سمجھا ہے، وہ پر اسرار ہو جائے

فرزانہ فرحت لندن

اپنا جنون اپنی اذیت چھپا کے رکھ
اب خود سے بھی تو میری محبت چھپا کے رکھ
اس کی گلی سے نرم ہوا کی طرح گزر
اس کی گلی سے جو بھی ہے نسبت چھپا کے رکھ
ہے کون دھڑکنوں میں یہ تیری چھپا ہوا
کس کی ہے تیرے دل کو ضرورت چھپا کے رکھ
کس کے لئے کیا ہے سفر یہ نہ بھید کھول
خود راستوں سے اپنی مسافت چھپا کے رکھ
تیری جگہ یہ آئینے میں کس کا عکس ہے
خود آئینے سے اپنی یہ حیرت چھپا کے رکھ
کس کی محبتوں نے تجھے دربدر کیا
تو دشت سے بھی اپنی یہ وحشت چھپا کے رکھ
اس کو گلے لگا مگر اس کی طرف نہ دیکھ
اس کی نظر سے بھی تو یہ حیرت چھپا کے رکھ
معیار پر تُو جس کے نہ پورا اتر سکے
اے دوست اپنی اُس سے ندامت چھپا کے رکھ
حاسد بہت ہے دنیا تو اس کا خیال کر
اہل جہاں سے اپنی مسرت چھپا کے رکھ
اس پر بھی بھید کھول نہ اپنی وفاؤں کا
خواہش ہے تیرے دل میں جو فرحتؔ چھپا کے رکھ

امام بخش ناسخ

ہم مے کشوں کو ڈر نہیں مرنے کا محتسب
فردوس میں بھی سنتے ہیں نہرِ شراب ہے
گیا وہ چھوڑ کر رستے میں مجھ کو
اب اس کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں
فرقت قبولِ رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم رقیب تیری انجمن میں ہے
جس قدر ہم سے تم ہوئے نزدیک
اس قدر دور کر دیا ہم کو
جستجو کرنی ہر اک امر میں نادانی ہے
جو کہ پیشانی پہ لکھی ہے وہ پیش آنی ہے
کام اوروں کے جاری رہیں ناکام رہیں ہم
اب آپ کی سرکار میں کیا کام ہمارا
رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
س سر زمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں
کرتی ہے مجھے قتل مرے یار کی تلوار
تلوار کی تلوار ہے رفتار کی رفتار
کس طرح چھوڑوں یکا یک تیری زلفوں کا خیال
ایک مدت کے یہ کالے ناگ ہیں پالے ہوئے
لیتے لیتے کروٹیں تجھ بن جو گھبراتا ہوں میں
نام لے لے کر ترا راتوں کو چلاتا ہوں میں
عشوقوں سے امیدِ وفا رکھتے ہو ناسخ
ناداں کوئی دنیا میں نہیں تم سے زیادہ
منہ آپ کو دکھا نہیں سکتا ہے شرم سے
اس واسطے ہے پیٹھ ادھر آفتاب کی

خواب ہی میں نظر آ جائے شبِ ہجر کہیں
سو مجھے حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا
سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے
جسم ایسا گھل گیا ہے مجھ مریض عشق کا
دیکھ کر کہتے ہیں سب تعویذ ہے بازو نہیں
تمام عمر یوں ہی ہوگئی بسر اپنی
شبِ فراق گئی روزِ انتظار آیا
تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں
تازگی ہے سخن کہنہ میں یہ بعد وفات
لوگ اکثر مرے جینے کا گماں رکھتے ہیں
وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں
ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں
زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں
زلفوں میں کیا قید نہ ابرو سے کیا قتل
تو نے تو کوئی بات نہ مانی مرے دل کی
ہیں اشک مری آنکھوں میں قلزم سے زیادہ
ہیں داغ مرے سینے میں انجم سے زیادہ

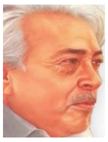

منیرؔ نیازی

خیال جس کا تھا مجھے خیال میں ملا مجھے
سوال کا جواب بھی سوال میں ملا مجھے
خواہشیں ہیں گھر سے باہر دور جانے کی بہت
شوق لیکن دل میں واپس لوٹ کر آنے کا تھا
کسی کو اپنے عمل کا حساب کیا دیتے
سوال سارے غلط تھے جواب کیا دیتے
محبت اب نہیں ہوگی یہ کچھ دن بعد میں ہوگی
گزر جائیں گے جب یہ دن یہ ان کی یاد میں ہوگی
وہ جس کو میں سمجھتا رہا کامیاب دن
وہ دن تھا میری عمر کا سب سے خراب دن
مدت کے بعد آج اسے دیکھ کر منیرؔ
اک بار دل تو دھڑکا مگر پھر سنبھل گیا
تھکے لوگوں کو مجبوری میں چلتے دیکھ لیتا ہوں
میں بس کی کھڑکیوں سے یہ تماشے دیکھ لیتا ہوں
اشکِ رواں کی نہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو
دیتی نہیں اماں جو زمیں آسماں تو ہے
کہنے کو اپنے دل سے کوئی داستاں تو ہے
اک اور دریا کا سامنا تھا منیرؔ مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا
زوالِ عصر ہے کوفے میں اور گداگر ہیں
کھلا نہیں کوئی در بابِ التجا کے سوا
اس سمت مجھ کو یار نے جانے نہیں دیا
اک اور شہر یار میں آنے نہیں دیا
امتحاں ہم نے دیئے اس دارِ فانی میں بہت
رنج کھینچے ہم نے اپنی لامکانی میں بہت
تھکن سفر کی بدن شل سا کر گئی ہے منیرؔ
را کیا جو سفر میں قیام کر بیٹھا

بِسمِ اللہ کلیم

عدو سے خنجرِ تحقیر کوزہ گر نہ کھلا
دھرا تھا کوزہِ دِل اور جگر وگرنہ کھلا
کھلا پڑا ہے ورائے حدودِ عرض و سماء
مجھی پہ نورِ جہاں تاب آنکھ بھر نہ کھلا
مری اُڑان ہے تحویلِ کج ادائی میں
کھلی فضا میں بھی عُقدہِ بال و پر نہ کھلا
وہ ایک راز محبت کا زخم خُردہ وجود
مزاقِ شامِ غریباں بنا مگر نہ کھلا
حِصارِ وحشتِ آگاہیِ خیال نہ پوچھ
یہ ایک گنبدِ بے در کلیمؔ پر نہ کھلا

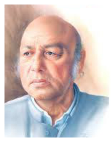

حبیب جالب

ناموس کے جھوٹے رکھوالو
بے جرم ستم کرنے والو
کیا سیرت نبوی جانتے ہو؟
کیا دین کو سمجھا ہے تم نے؟
کیا یاد بھی ہے پیغام نبی؟
کیا نبی کی بات بھی مانتے ہو؟
یوں جانیں لو، یوں ظلم کرو
کیا یہ قرآن میں آیا تھا؟
اس رحمت عالم نے تم کو
کیا یہ اسلام سکھایا تھا؟
لاشوں پہ پتھر برسانا
کیا یہ ایمان کا حصہ ہے؟
الزام لگاؤ مار بھی دو؟
دامن سے مٹی جھاڑ بھی دو؟
مسلماں بھی کہلاؤ اور پھر
ماؤں کی گود اجاڑ بھی دو؟
تم سے نہ کوئی سوال کرے؟
نہ ظلم کو جرم خیال کرے؟
اس دیس میں جو بھی جب چاہے
لاشوں کو یوں پامال کرے؟
لیکن تم اتنا یاد رکھو
وہ وقت بھی آخر آنا ہے
ہے جس کے نام پہ ظلم کیا
اس ذات کے آگے جانا ہے
اس خون ناحق کو پھر وہ

میزان حشر میں تولے گا
وہ سرور عالم محسن جاں
تم سے اتنا تو بولے گا
اے ظلم و جبر کے متوالو
تم حق کے نام پہ باطل ہو
تم وحشی ہو تم قاتل ہو

ساجد محمود رانا

جانے کیسا مواد ہے بھائی
ہر طرف ہی فساد ہے بھائی
میں برا جانتا ہوں رشوت کو
کیا کروں بس سواد ہے بھائی
کتنا بے خوف کہہ رہا ہے سچ
تیری ہمت کی داد ہے بھائی
تم عبادت جسے سمجھتے ہو
اپنا اپنا مفاد ہے بھائی
یہ جو کھیتوں میں ڈالتا ہے تُو
یہ تو کافر کی کھاد ہے بھائی
وہ نا ہوتا تو کتنا سکھ ہوتا
وہ سے ملاں مراد ہے بھائی

طاہر عدیم

بقائے ذات کے اِک دورِ لازوال میں ہوں
مجھے نہ چھیڑ، کہ میں لمحۂ وصال میں ہوں
مقدروں میں تِری زینتِ بیاض کہاں؟
یہی بہت ہے کہ شیرازۂ خیال میں ہوں
سبک روی کا تصور، نہ رنگِ سست روی
مثالِ موجِ رواں مست اپنے حال میں ہوں
خراج دے کے گزرتے ہیں نفرتوں کے ہجوم
پلا ہوا میں محبت کے ماہ و سال میں ہوں
کنارِ فرشِ سخن، بھیڑ استعاروں کی
بہ کشتِ رمزِ ہُنر، لہجۂ کمال میں ہوں
ترا خیال مجھے جب سے چھو کے گزرا ہے
میں تب سے رقص کناں دھڑکنوں کی تال میں ہوں
وہ چال ڈھال میں مثلِ غزال ہے اور میں
کسی غریب کے سرمایۂ زوال میں ہوں
مری فنا ہے تِرے حسن کی بقا کا جواز
مَیں بن کے وجہِ کشش تیرے خدوخال میں ہوں
کھلی فضا کا تصنع مجھے گوارہ نہیں
میں روم روم تری سادگی کے جال میں ہوں
مری شکست ہے طاہر عدیم فتح مری
میں ہنس رہا ہوں اگرچہ بہت ملال میں ہوں

عاصی صحرائی

محبت ابروئے خمدار بھی ہے
یہ نازک ہے مگر تلوار بھی ہے
اسی سے ظلمتوں میں روشنی ہے
اسی سے خلوتوں میں یار بھی ہے
نہیں آسان اتنا راستہ یہ
کہ منزل اسکی سوئے دار بھی ہے
یہ کھو جائے، تو ہے گرداب دنیا
یہ مل جائے تو بیڑہ پار بھی ہے
اتنی اندھی ہوتی ہے لگن میں
کچے گھڑے پہ کرتی اعتبار بھی ہے
چھڑواتی ہے تخت و تاج شاہ سے
عزت بیگ کو بناتی کمہار بھی ہے
کبھی دکھاتی ہے سپنے سہانے
کبھی کرتی رسوائی سر بازار بھی ہے
کبھی بناتی ہے دیدو رانجھا
کبھی کھدواتی نہر شیر دار بھی ہے
رُلاتی ہے اپنے پیچھے دربدر
کرواتی سگ لیلیٰ سے پیار بھی ہے
تلاش یار میں ہوتی ہے صحرا نورد
جان دیتی سرے ریگزار بھی ہے
محبت بناتی ہے یادوں کا تاج محل
جو اک عظیم شاہکار بھی ہے
محبت ہے بہت بدنام لیکن
نہ بھولو، سنت ابرار بھی ہے
گر مل جائے محبت پروردگار
بناتی یہ دو عالم کا سردار بھی ہے

عبدالرزّاق بیکل

کِسی دِن یونہی دیکھا تھا انہیں رنجیدہ رنجیدہ
ہے سینے میں جگر گویا ابھی تفسیدہ تفسیدہ
رہے تھے رات اُلفت میں وہ کچھ سنجیدہ سنجیدہ
دِکھائی دے رہے ہیں جو ابھی خوابیدہ خوابیدہ
لبِ جاناں ابھی تک ہیں تو کیوں لرزیدہ لرزیدہ
ہوئے آمادۂ گفتار وہ پوشیدہ پوشیدہ
کنائیوں میں، اشاروں میں، ادھورے استعاروں میں
وہ کرتے بات ہیں گویا ابھی پیچیدہ پیچیدہ
مجھے اغیار نے طعنے دیئے کہہ کر یہی اکثر
بچھڑتے ہی ہوا یہ حال ہے شوریدہ شوریدہ
سزا کے طور پر شاید ابھی کچھ لوگ زندہ ہیں
جِسے دیکھو اسی کو خوف ہے نادیدہ نادیدہ
خدا جانے ان آنکھوں میں یہ دیکھا کیا کرشمہ ہے
نشانے پر لگاتی تیر ہیں دزدیدہ دزدیدہ
مجھے معلوم ہے بیکلؔ وہ جلدی لوٹ آئیں گے
دھڑکتا دِل یہ پہلو میں رہے ترسیدہ ترسیدہ

خالد ملک ساحل

پرسہ بروفات مریمؔ بیٹی
دخترِ مبارکؔ صدیقی۔لندن

ساری دنیا کی جو مرہم ہے، بہت ہی کم ہے
گوشۂ چشم جو پُرنم ہے، بہت ہی کم ہے
شدّتِ پیاس میں، شبنم ہے، بہت ہی کم ہے
آہ کی سانس بھی رک جائے، اگر، سوچیں ہم
سینۂ درد میں جو دم ہے، بہت ہی کم ہے
صبر کے پاوں میں بیٹھا ہوا درویش صفت
باپ کہتا ہے، جو ماتم ہے، بہت ہی کم ہے
زخم در زخم ہے مُسکان لبوں پر لیکن
ساری دُنیا کی جو مرہم ہے، بہت ہی کم ہے
باپ کے سینے سے آہوں کی صدا آتی ہے
یادِ مریمؔ میں جو ارحم ہے، بہت ہی کم ہے
رونے والوں کی بلائیں نہیں لیتا کوئی
اور، احساس بھی، کم کم ہے بہت ہی کم ہے
ہم کریں پُرسہ مُبارکؔ سے، تو کیسے ساحل
لطفِ اظہار میں جو غم ہے بہت ہی کم ہے

☆

بازیچۂ افطار ہے روزہ مرے آگے
چٹنی ہے پکوڑہ ہے سموسہ مرے آگے
جس شوخ نے اوڑھا نہ کبھی سر پہ دوپٹہ
رمضاں میں وہ کرلیتی ہے پردہ مرے آگے
چھ سو کا ہے یہ سیب تو دو سو کا ہے کیلا
لے ائی ہے تبدیلی بھی کیا کیا مرے آگے
گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی لسی کا مٹکا مرے آگے
ایمان مجھے کھینچے ہے اگر جانب مسجد
آجائے ہے چپکے سے کرونا مرے آگے

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

طائف میں کربلا کے سفینے کی روشنی
ملتی ہے اس جہاں کو مدینے کی روشنی
کھاتے تھے زخم سب کی ہدایت کے واسطے
پھیلا رہے تھے آپ قرینے کی روشنی
رمضان ہو کہ اور مقدس مہینہ ہو
چاروں طرف ہے ان کے مہینے کی روشنی
تخلیق بے مثال کا وہ حسن با کمال
مہکا رہا تھااِن کے پسینے کی روشنی
اے زینت زمین و زماں کیجے عطا
اک بار مجھ کو اپنے مدینے کی روشنی
یہ شق صدر ہوگئے حیران جبریل
پھیلی تھی کل جہان میں سینے کی روشنی
جس وصل بے مثال میں طاری تھی بے خودی
بخشش میں تھی نماز خزینے کی روشنی
یزداں بھی ان پہ بھیجتا ہے رات دن درود
شمس و قمر سے بڑھ کے نگینے کی روشنی
سرکار میں کنیز ہوں مجھ پر بھی ہو عطا
درکار ہے مجھے بھی خزینے کی روشنی
شاہیںؔ نبی کے دم سے ہی مجھ کو ہوئی عطا
مرتے ہوئے وجود میں جینے کی روشنی

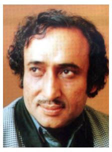

سید محسن نقوی

متاعِ شام سفر بستیوں میں چھوڑ آئے
بجھے چراغ ہم اپنے گھروں میں چھوڑ آئے
ہمارے بعد بھی رونق رہے گی مقتل میں
ہم اہلِ دل کو بڑے حوصلوں میں چھوڑ آئے
گھِرے لشکرِ اعدا میں ہم تو یہ سوچتے ہیں
کہ اپنے تیر تو ہم اپنی صفوں میں چھوڑ آئے
بچھڑ کے تجھ سے چلے ہم تو اب یوں بھی ہوا
کہ تیری یاد کہیں راستوں میں چھوڑ آئے
ہم اپنی دربدری کے مشاہدے اکثر
نصیحتوں کی طرح کم سِنوں میں چھوڑ آئے
ھوا ہی دن میں پرندے اُڑا ے پھرتی ہے
ھوا ہی پھر اُنھیں گھونسلوں میں چھوڑ آئے
سدا سکھی رہیں چہرے وہ ہم جنھیں محسن
بجھے گھروں کی کھلی کھڑکیوں میں چھوڑ آئے

عاصی صحرائی

اے دوست یہ کیا ہوگیا دیکھتے دیکھتے
لگتا ہے اللہ میاں اب نہیں دیکھتے
مرا وطن لُٹ گیا، دیکھتے دیکھتے
انسان بن گیا گرگ ظالم، دیکھتے دیکھتے
ہٹلر بن گیا بل گیٹ، دیکھتے دیکھتے
ذریۃ البغایا کی ہر طرف بہتات ہے
دارالامن ہوگیا کر بلا، دیکھتے دیکھتے
دنیا کے طور ایسے بدلے کہ بس
رہبر بن گئے راہزن، دیکھتے دیکھتے
نیکوں کی دنیا ویراں ہر طرف
بد بن گئے بادشاہ، دیکھتے دیکھتے
ہرجا کمزور نذِ زنداں ہوئے
طاقت بن گئی نشانِ یزید، دیکھتے دیکھتے
مگر کرونا نے ہے زیر کیا دیکھتے دیکھتے
کیا ہے برابر سب کو اس نے فوراً
سب ہے ڈر گئے قدرت سے دیکھتے دیکھتے
اک جرثومہ پھیل گیا ہر سُو
موتا موتی لگی ہر طرف دیکھتے دیکھتے

تبسم نواز وڑائچ

اب ترے عشق نے جو مجھ میں شجر کاری کی
غنچہء درد نے بھی تحریک نموداری کی
آتشِ ہجر جو بھڑکی تو بھڑکتی ہی رہی
آنسوؤں نے بھی تو آنکھوں سے یہ غداری کی
وحشتِ دل جو بڑھی بے سر و سامانی نے
بخیہء چاکِ گریباں سے ہنر کاری کی
رات بھر زخم کریدا کئے تنہائی میں
نشترِ ہجر نے بھی خوب ہے گل کاری کی
زخمِ ہجراں پہ نمک پاشی جو کی اشکوں نے
تیری یادوں نے بھی دل کھول کے سنگساری کی
اب جو بکھرے ہیں تمنا کے حسیں شیش محل
قابلِ دید ہے حالت میری لاچاری کی
دلِ معتوب تو معصوم ہے، ہر بار سزا
جھیلتا رہتا ھے آنکھوں کی خطا کاری کی
اب جو بیٹھا ھے خساروں کا لئے تو ساماں
کس بھروسے پہ تھی خوابوں کی خریداری کی
دار ھو، دشت ھو، یا مصر کا زندان میاں
عشق سے عقل نے ھر موڑ پہ عیاری کی
فیصلہ ہوتا ہے وفاؤں کا سرِ نوکِ سناں
عشق میں شرط نہیں رکھتے وفاداری کی
کون تھا شہرِ ستم گر میں تسلی کے لئے
خواب کے سوختہ خیموں نے عزاداری کی
اب جو سویا ہوں تو سویا ہی مجھے رہنے دو
میں اذیت نہیں سہہ پاؤں گا بیداری کی

طارق تاسی

بادہ، شیشہ، جام، صراحی، پیمانہ
وہ لڑکی ہے چلتا پھرتا مے خانہ
نبض ہستی ساتھ ہی اسکے رک جائے
جب وہ ظالم چال چلے ہے مستانہ
جان کے اس نے آج نظر انداز کیا
یا پھر اس نے آج نہیں ہے پہچانا
جانے کیوں ہر شام سلگتی لمحوں میں
دل چاہے ہے بیتی باتیں دہرانا
ہجرت کوتو گل رت پر موقوف نہ کر
میرا رستہ دیکھ رہا ہے ویرانہ
اپنی بھی اپنوں سے خائف دیکھے ہیں
چاروں جانب خوف چھپا ہے انجانا
ون سنے گا کس کو اتنی فرصت ہے
تاسی تیرا غیر ضروری افسانہ

نئے لکھنے والے ’قوافی‘ پر توجہ دیں
ایک منفرد طرز کی غزل

م ش عالم حیدر آباد

سکونِ زیست کو کچھ ایسے برقرار رکھا
مدارِ زیست کو ہر لحہ بر، قرار رکھا
نہ اس کا کوئی بھی احساں، بوجہِ عار رکھا
اگرچہ غیر کا بھی لطف مستعار رکھا
رخ اپنا عاشقِ صادق نے سوئے دار رکھا
اور ایسے، عشق کے موتی کو آب دار رکھا
جبین سائی کو ہم نے بس اک دیار رکھا
برائے عظمتِ توحید ایک یار رکھا
ہیں کون کون وہ، کب ہم نے یہ شمار رکھا
کہ آستینوں میں کس کس نے اپنی مار رکھا
وہ گھونٹ، جس میں کہ قدرت نے ہے خمار رکھا
اس ایک گھونٹ کی خواہش کو ہم نے مار رکھا
تمام عمر جہاں ہم نے اپنا زار رکھا
وہیں پہ ہم نے پسِ مرگ پھر مزار رکھا
خود اپنے شانوں پہ ہم نے وفا کا بار رکھا
یہ بار ایسا تھا عالم! کہ بار بار رکھا

اورنگ زیب

عشق سے مَیں ڈر چُکا تھا ڈر چُکا تو تُم ملے
دل تو کب کا مَر چُکا تھا مَر چُکا تو تُم ملے
جب مَیں تنہا گھٹ رہا تھا تب کہاں تھی زندگی
دل بھی غم سے بھر چُکا تھا بھر چُکا تو تُم ملے
بے قراری پھر محبت پھر سے دھوکہ! اب نہیں
فیصلہ میں کر چُکا تھا کر چُکا تو تُم ملے
مَیں تو سمجھا سب سے بڑھ کر مطلبی تھا مَیں یہاں
خود پہ تُہمت دھر چُکا تھا دھر چُکا تو تم مُلے
تیرے آنے سے بھی پہلے کوئی آ کر خواب میں
رنگ مجھ میں بھر چُکا تھا بھر چُکا تو تم مُلے
ورنہ ہم سب ڈوب کر رکھتے محبت کا بھرم
اپنا بیڑا تَر چُکا تھا کر چُکا تو تم مُلے
تم کو کیا معلوم ہو گا زیب پچھلی جنگ میں
سارا لشکر ہر چکا تھا ہر چکا تو تم ملے

حکیم ناصر

جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے
اس کے دل پر بھی کڑی عشق میں گزری ہو گی
نام جس نے بھی محبت کا سزا رکھا ہے
پتھروں آج میرے سر پہ برستے کیوں ہو
میں نے تم کو بھی کبھی اپنا خدا رکھا ہے
اب میری دید کی دنیا بھی تماشائی ہے
تو نے کیا مجھ کو محبت میں بنا رکھا ہے
غم نہیں گل جو کیئے گھر کے ہواؤں نے چراغ

ہم نے دل کا بھی دیا ایک جلا رکھا ہے
پی جا ایام کی تلخی کو بھی ہنس کر ناصر
غم کو سہنے میں بھی قدرت نے مزہ رکھا ہے

عامر حسنی ملائیشیا

پاکستان میں نفرتوں کی پھیلائی نئی آگ پر

مُہر کر دی ہے آئندہ نہیں ہوں
میں تفریقوں کا کارندہ نہیں ہوں
ہوئی سب خواہشیں پوری تو بولے
میں ان کے کام کا بندہ نہیں ہوں
جو نفرت کی کھڑی تم کر رہے ہو
میں اس دیوار پر کندہ نہیں ہوں
دھنیں جب بن چکیں ساری بدن کی
تو کہتے ہیں کہ سازندہ نہیں ہوں
کفن پہنا کے مجھ کو چھوڑ آئے
سمجھ کر یہ کہ میں زندہ نہیں ہوں
محبت دیس کی ہے خوں میں شامل
میں عاشق ہوں فقط رِندہ نہیں ہوں
مرے کردار میں خوشبو بسی ہے
غلاظت سے بھرا، دھندہ نہیں ہوں
بھروں بدبو سے میں اپنے وطن کو؟
ہُوا میں اس قدر گندہ نہیں ہوں
میں عامؔر ہوں فقط اُٹھتی گھٹا میں
میں اخباروں میں تابندہ نہیں ہوں

حفیظ جالندھری

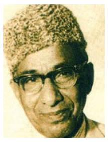

عرضِ ہنر بھی وجہِ شکایات ہوگئی
چھوٹا سا منہ تھا مجھ سے بڑی بات ہوگئی
دشنام کا جواب نہ سوجھا بجُز سلام
ظاہر مرے کلام کی اوقات ہوگئی
دیکھا جو کھا کے تیر کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی
یا ضربتِ خلیل سے بت خانہ چیخ اٹھا
یا پتھروں کو معرفتِ ذات ہوگئی
یارانِ بے بساط کہ ہر بازیِ حیات
کھیلے بغیر ہار گئے مات ہوگئی
بے رزم دن گزار لیا رتجگا مناؤ
اے اہلِ بزم جاگ اٹھو رات ہو گئی
نکلے جو میکدے سے تو مسجد تھا ہر مقام
ہر گام پر تلافیِ مافات ہوگئی
حدِّ عمل میں تھی تو عمل تھی یہی شراب
ردِّ عمل بنی تو مکافات ہوگئی
اب شکر نا قبول ہے، شکوہ فضول ہے
جیسے بھی ہو گئی بسر اوقات ہوگئی
وہ خوش نصیب تم سے ملاقات کیوں کرے
دربان ہی سے جس کی مدارات ہوگئی
ہر ایک رہنما سے بچھڑنا پڑا مجھے
ہر موڑ پر کوئی نہ کوئی گھات ہوگئی
یاروں کی برہمی پہ ہنسی آگئی حفیؔظ
یہ مجھ سے ایک اور بری بات ہوگئی

عبیداللہ علیم

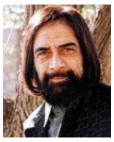

خیال و خواب ہوئی ہیں محبتیں کیسی
لہو میں ناچ رہی ہیں یہ وحشتیں کیسی
نہ شب کو چاند ہی اچھا نہ دن کو مہر اچھا
یہ ہم پہ بیت رہی ہیں قیامتیں کیسی
وہ ساتھ تھا تو خدا بھی تھا مہرباں کیا کیا
بچھڑ گیا تو ہوئی ہیں عداوتیں کیسی
عذاب جن کا تبسّم، ثواب جن کی نگاہ
کھنچی ہوئی ہیں پسِ جاں یہ صورتیں کیسی
ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہَوا سے شکایتیں کیسی
جو بے خبر کوئی گزرا تو یہ صدا دی ہے
میں سنگِ راہ ہوں مجھ پر عنایتیں کیسی
نہیں کہ حُسن ہی نیرنگیوں میں طاق نہیں
جنوں بھی کھیل رہا ہے سیاستیں کیسی
نہ صاحبانِ جنوں ہیں نہ اہلِ کشف و کمال
ہمارے عہد میں آئیں کثافتیں کیسی
جو ابر ہے سو وہ اب سنگ و خشت لاتا ہے
فضا یہ ہو تو دلوں کی نزاکتیں کیسی
یہ دور ِ بے ہنراں ہے بچا رکھو خود کو
یہاں صداقتیں کیسی کرامتیں کیسی

حفیظ جونپوری

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے
نہیں مرتے ہیں تو ایذا نہیں جھیلی جاتی
اور مرتے ہیں تو پیماں شکنی ہوتی ہے
دن کو اک نور برستا ہے مری تربت پر
رات کو چادر مہتاب تنی ہوتی ہے
تم بچھڑتے ہو جو اب کرب نہ ہو وہ کم ہے
دم نکلتا ہے تو اعضا شکنی ہوتی ہے
زندہ در گور ہم ایسے جو ہیں مرنے والے
جیتے جی ان کے گلے میں کفنی ہوتی ہے
رت بدلتے ہی بدل جاتی ہے نیت میری
جب بہار آتی ہے توبہ شکنی ہوتی ہے
غیر کے بس میں تمہیں سن کے یہ کہہ اٹھتا ہوں
ایسی تقدیر بھی اللہ غنی ہوتی ہے
نہ بڑھے بات اگر کھل کے کریں وہ باتیں
باعث طول سخن کم سخنی ہوتی ہے
لٹ گیا وہ ترے کوچے میں دھرا جس نے قدم

اس طرح کی بھی کہیں راہزنی ہوتی ہے
حسن والوں کو ضد آ جائے خدا یہ نہ کرے
کر گزرتے ہیں جو کچھ جی میں ٹھنی ہوتی ہے
ہجر میں زہر ہے ساغر کا لگانا منہ سے
مے کی جو بوند ہے ہیرے کی کنی ہوتی ہے
مے کشوں کو نہ کبھی فکر کم و بیش رہی
ایسے لوگوں کی طبیعت بھی غنی ہوتی ہے
ہوک اُٹھتی ہے اگر ضبط فغاں کرتا ہوں
سانس رکتی ہے تو برچھی کی انی ہوتی ہے
عکس کی ان پر نظر آئینے پہ ان کی نگاہ
دو کماں داروں میں ناوک فگنی ہوتی ہے
پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظؔ
صاف انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

اسد اعوان

بچ بچ کے تیری راہ سے چلنا تو تھا مجھے
تُو جو بدل گیا ہے بدلنا تو تھا مجھے
سورج پرست چھوڑ گئے ہیں غروب پر
نصف النہار شمس تھا ڈھلنا تو تھا مجھے
دنیا پڑی ہوئی تھی نگاہوں کے سامنے
دنیا کی گمرہی سے نکلنا تو تھا مجھے
طغیانیوں نے گھیرا ہوا تھا قریب سے
گہرے سمندروں سے اچھلنا تو تھا مجھے
اپنی مراجعت کا تصور تھا پیش رو
الٹی طرف پہ عشق میں چلنا تو تھا مجھے
اُس کے قریب بیٹھے تھے ناآشنائے حسن
ساعتِ اشتعال تھی ٹلنا تو تھا مجھے
میں کہ چراغِ مرقدِ حسرت تھا اس لیے
شامِ فراقِ یار میں جلنا تو تھا مجھے
آنکھوں کے درمیاں سے گزرنا پڑا اسد
بارِ گراں تھا سر پہ سنبھلنا تو تھا مجھے

عمر تنہا

نہ دھرتی ہوں نہ امبر ہوں
میں آنکھ سے اوجھل منظر ہوں
ہے تجھ کو غرور جو شاہی کا
تو میں بھی مست قلندر ہوں
چادر میں ریا کی کیوں اوڑھوں
جو باہر ہوں وہ اندر ہوں
ہوں اندر سے زر خیز بہت
باہر سے کتنا بنجر ہوں
میں پیار کی خاطر پھول ہوں گر
تو ظلم کی خاطر خنجر ہوں
جو ڈوب سکے وہ تنکا ہوں
جو تیر سکے وہ پتھر ہوں
میں ظاہر میں اک دریا ہوں
وسعت میں ایک سمندر ہوں

عید مبارک

تھوڑا سا مسکراؤ تو عید ہے
منا کر روٹھنا تمھاری نزاکت ٹھہری
منانے پر جو اب مان جاؤ تو عید ہے
یہ کیا کہ روز ملنے پر وعدہ کل کا
آج تو گلے سے لگ جاؤ تو عید ہے
سنا ہے کہ تم کرتے ہوباتیں ہزار
ہم سنیں اور تم فرماؤ تو عید ہے
دیکھو وہ نکلا ہے آسمان کے سینے سے
تم بھی میرے چاند، نظر آؤ تو عید ہے
سر کو جھکا کر عید مبارک کہا تو کیا
جھکی اپنی پلکیں ذرا اٹھاؤ تو عید ہے
اب میری ہر خوشی ہے جاناں صرف تم سے
تم ہنسو، کھلکھلاؤ، گنگناؤ، تو عید ہے
عید پر ہم کھاتے ہیں کچھ میٹھا جان
کچھ اپنی مٹھاس تم چکھاؤ تو عید ہے

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

عید پر گھر ہی رہے کوئی بھی آیا نہ گیا
ان سے ہمّت نہ ہوئی ھم سے بلایا نہ گیا
وہ مرے گھر میں اتر آیا مری عید ہوئی
پُر تبسم وہ حسیں چہرہ بُھلایا نہ گیا
ہر طرف اترے ہیں ساماں، تری ناراضی کے
مان تو جاتا، مگر تجھ کو منایا نہ گیا
اک تسلسل سے چلا جاتا ہے ماہِ رمضاں
عید کے روز بھی جس گھر میں پکایا نہ گیا
کوئی تو لے کے کہیں اس کا پیام اُترا ہے
کون سا ایسا نشاں ہے جو دِکھایا نہ گیا
حشر کے روز جواب اس سے نہ بن پائے گا
کون سچا تھا جسے سُولی چڑھایا نہ گیا
وہ غریبی میں،اسیری میں بھی پائے خوشیاں
غیر کے سامنے جس سر کو جھکایا نہ گیا

حمیرا حیدر

پہلے ہم اسکے شہر کا نقشہ بنائیں گے
پھر ہم وہاں پہ جانے کا رستہ بنائیں گے
لوگوں کو اسکے بعد سدھاریں گے، اس سے قبل
ہم اپنے آپ کو بڑا اچھا بنائیں گے
ایسا تو کچھ کریں گے جو پہلے ہوا نہ ہو
پتھر کو توڑ جائے وہ شیشہ بنائیں گے
غربت میں کچھ حرام کے پیسے اچھال کر
یہ لوگ اس غریب کو کیا کیا بنائیں گے
زمزم کتاب نوری قلم اور سات رنگ
یہ سب ملا کے یار کا چہرہ بنائیں گے

اک دل بنائیں گے تیرا اپنے حساب سے
پھر جیسا تو کہے تجھے ویسا بنائیں گے
کوئی بھی بھاؤ سن کے خوشی سے ادا کرے
ہم دل کو ہر حساب سے سستا بنائیں گے
پھر بھی حمیر ہم سے اگر کچھ نہ بن سکا
لِلہ وہ ایک شخص تو اپنا بنائیں گے

مہران سانول نیازی
عید کہاں ہے؟

مَیں ڈھونڈنے نکلا ہوں مگر عید کہاں ہے؟
ہے ڈھونڈتی ہر ایک نظر عید کہاں ہے؟
دیکھی نہیں چہروں سے چھلکتی ہُوئی خوشیاں
چہروں سے عیاں موت کا ڈر عید کہاں ہے؟
ہائے صفِ ماتم ہے بچھی آہ و بکا ہے
ہیں سوگ میں ڈوبے ہوئے گھر عید کہاں ہے؟
دیکھا جو فلک تو یہ کہا اہلِ زمیں نے
ہے چاند چمکتا ہُوا پَر عید کہاں ہے؟
گلیوں میں اُداسی نے لگایا ہے تماشا
مغموم ہوئے قلب و جگر عید کہاں ہے؟
خُوش ہو کے گلے مِلنا بہت یاد ہے آیا
آنکھوں کے کنارے ہوئے تَر عید کہاں ہے؟
مہؔران گزر جائے گا یہ وَقت یقیناً
مَت پوچھ یہ تُو شام وسحر ”عید کہاں ہے؟“

راحتؔ اندوری

مرے خلوص کی گہرائی سے نہیں ملتے
یہ جھوٹے لوگ ہیں سچائی سے نہیں ملتے
وہ سب سے ملتے ہوئے ہم سے ملنے آتا ہے
ہم اس طرح کسی ہرجائی سے نہیں ملتے
پُرانے زخم ہیں کافی، شمار کرنے کو
سو، اب کِسی بھی شناسائی سے نہیں ملتے
ہیں ساتھ ساتھ مگر فرق ہے مزاجوں کا
مرے قدم مری پرچھائی سے نہیں ملتے
محبتوں کا سبق دے رہے ہیں دُنیا کو
جو عید اپنے سگے بھائی سے نہیں ملتے

عمر تنہا

جب بھی ہنستا ہوں تو رونے کا گماں ہوتا ہے
میری خوشیوں میں بھی ماتم کا سماں ہوتا ہے
میرے ہر انگ میں ہوتی ہے نقاہت پہلے
جب وہ آجائے تو پھر درد کہاں ہوتا ہے
چاہے اظہار نہ کر لاکھ چھپا لے مجھ سے
تیری آنکھوں سے مرا پیار عیاں ہوتا ہے
دن کے ہنگامے مجھے رکھتے ہیں مصروف مگر
شام ڈھلتی ہے تو ہر درد جواں ہوتا ہے
عشق ہوجائے جو اک بار تو اے جانِ وفا
پھر کہاں پیشِ نظر سُود و زیاں ہوتا ہے
عشق میں کرب تو لازم ہے مقدر میرا
آگ لگتی ہےتو ظاہر ہے دھواں ہوتا ہے

ڈاکٹر مقصود جعفری

اہلِ جنوں بھی صاحبِ ادراک ہوگئے
چالاک تو نہیں تھے پہ چالاک ہوگئے
دریا سے ہم کو اذنِ روانی ملا تو ہم
سیلِ رواں پہ موجۂ بے باک ہوگئے
تب جا کے ہم کو رنگِ گُلِ سرمدی ملا
جب شاخِ گُل پہ غنچۂ صد چاک ہو گئے
میری فغاں سے شہرِ خموشاں میں غلغلہ
نالے بھی میرے گنبدِ افلاک ہوگئے
اشکوں نے گردِ لوحِ ندامت کو دھو دیا
”دھوئے گئے ہیں ایسے کہ بس پاک ہو گئے“
آزردہ ہم کو کر دیا یہ کس کی یاد نے
دو آبشار دیدۂ نمناک ہوگئے
تختِ شہی کو جعفری ٹھوکر لگائی ہے
جب سے غلامِ صاحبِ لولاک ہوگئے

زیب النساء زیبی

عزمِ صمیم دل کو، اے ربِ جلیل دے
تجھ سے یہی دعا ہے، کہ ظرفِ جمیل دے
یاربّ ہر ایک قلب کو، شکلِ شکیل دے
کردار دے مجھے، تو حسین وجمیل دے
چھا جائے ذہن ودل پہ، نہ تیرے کبھی، اے شخص
نفسِ لعین کو اپنے، نہ تو اتنی ڈھیل دے
ناپختہ بات سے تو، ہمیشہ گریز کر!
جو بات بھی ہو، اُس کی تو قائم دلیل دے
سب ہی کو مشکلات کی،دلدل سے تو نکال
دُشمن کو بھی نہ تو مرے، قلبِ علیل دے
ہر راہِ زندگی کو، یہ آساں کروں میں طے
یارب مجھے بھی عزم کی محکم فصیل دے
فکرِ جدید مجھ کو بھی، حاصل ہو اے خدا
میرے خیال وفکر کو تازہ سبیل دے
شیریں بیاں سبھی کو، بنادے جہان میں
یارب کسی کو بھی، نہ تو، لہجہ ثقیل دے
تنویر تری آنکھ کی پتلی ہی میں رہے
میری نگاہ کو بھی، تو نورِ جمیل دے
بس اتنی التجا ہے، مری ربِ کائنات!
محشر میں اپنے عفو کا، مجھ کو وکیل دے
میں چاہتی ہوں سب میں تحمل کی روشنی
ہر ایک دل کو جلوۂ صبرِ جمیل دے

زیبؔی کے نقشِ پا کو بنادے تو رہنما
یارب تو اس کی راہ کو بھی سنگِ میل دے

ندیم ملک

شوقِ وصال کچھ نہیں شوقِ جمال کچھ نہیں
ہونٹوں پہ گرچہ غم نہیں دل میں سوال کچھ نہیں
سارے کے سارے مُنحرف دادِطلب کو وا کریں
فن سے کوئی طلب نہیں فن میں کمال کچھ نہیں
دل کی اداس کھڑکیاں طوفاں کے زور سے ہلیں
دیکھا تو سب اجڑ گیا لیکن ملال کچھ نہیں
مجھ کو بھی اشتیاق تھا پھر بھی بساطِ زیست میں
آئے سنے چلے گئے تیرا کمال کچھ نہیں
غم کے سبب ملی مجھے حیرت سرائے عشق میں
سمجھو جنابِ شیخ جی حسن و جمال کچھ نہیں
بیٹھے ہیں راہِ عشق میں تصویرِ یار تھام کر
پیرِ مغاں سے پوچھ لو عزت مآل کچھ نہیں
کارِ جنوں میں دیکھئے اذنِ سفر کا حکم ہے
لیکن سفر کے واسطے اپنا خیال کچھ نہیں

مظلوم بنتِ حوا
عاصی صحرائی

وہ ترکی کے خواب دیکھنے والی لڑکی
اک چھوٹے سے گاؤں میں بیاہ دی گئی
کہانیوں کی دنیا میں اُڑنے والی
اک کونے میں چپکے سے سجا دی گئی
وہ جو پیر کامل پڑھ کے جیتی تھی
وہ رواجوں میں دفنا دی گئی
جو گڑیا کے گر جانے پہ رو دیتی تھی
وہ زخم زمانہ پہ ہنسا دی گئی
چلو جیسا بھی، اب گزارا کر لو
جب شکوہ کیا، یہی تسلی دلوا دی گئی
چوڑیوں کی کھنک بجانے کے چاہ میں
اک صدا نفرت سے رُلا دی گئی
سسرال نہیں اچھا، خودکشی کر لی
لو، اک بیٹی اور گنوا دی گئی

اسد اعوان

اس کو اِس عہد کا ادراک نہیں ہے اتنا
نو جواں لڑکا ہے چالاک نہیں ہے اتنا
چھیداک آدھ تو مل جائے گا آسانی سے
پیرہن اپنا مگر چاک نہیں ہے اتنا
خال وخد اُس کے بھی دلکش ہیں، مگر تیری طرح
وہ کوئی ربط میں بیباک نہیں ہے اتنا
اپنے حلیے سے تو لگتا ہے یہ دیں دار کوئی
اپنے اندر سے مگر پاک نہیں ہے اتنا
عشق کے رستے پہ چلنا بھی تو تقوی ہے اسدؔ
عشق کا رستہ خطرناک نہیں ہے اتنا

حالاتِ حاضرہ پر ایک نظم

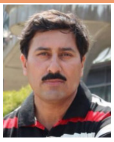

اعظم نوید

ہوں عاشق کملی والے کا بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
وہی میرا ہے اک آقا، بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
تمھارے بول کی مجھ کو نہیں ہے کوئی بھی پرواہ
مرا اس سے ہے اک ناطہ بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
تم اپنے زُعم میں لوگو خدا بن بیٹھے ہو سارے
مَیں اس کی مالا ہوں جپتا بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
زباں میری پہ تم ہرگز لگا سکتے نہیں تالا
مری وردِ زباں کلمہ بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
عمل میرا شریعت کے منافی ہو نہیں سکتا
مَیں نوکر اس کا ہوں ادنیٰ بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
مجھے یہ فخر حاصل ہے ہوں شامل اس کی امت میں
نہیں چھن سکتا یہ رُتبہ بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
کوئی مجھ سے جو یہ پوچھے بتا تیرا ہے کیا مذہب؟
کہوں گا دیں متیں سچا بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
جو کرنا ہے سو کر گزرو ارے او عقل کے اندھو
مرا ہے ہادی و مولیٰ بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
ترقی رُک نہیں سکتی کبھی تیری عداوت سے
چُنا ہے رب کا اک رستہ بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں
مُحمد کی غلامی پر مرا تن مَن نچھاور ہے
مَیں اس کا ہوں وہ ہے میرا بھلا کیونکر مَیں کافر ہوں

عامر سہیل

تری باتیں، ترے قصے، تری کہانی ہے
تُو ایک سبق جو رٹا ہوا، زبانی ہے
یک جان و یک قلب ہیں ہم دونوں
کیا ہوا جو فاصلہ مکانی ہے
اپنے اس پیار کے رستے میں ہم کو
کیا کیا نہ مشکل پڑی اٹھانی ہے
کبھی تو آ نا ہمدم، مرے نشیمن میں
تمہیں اک بات، اک آرزو سنانی ہے
تیری شمولیت ضروری ہے اس میں
ورنہ میری زندگی فقط رائیگانی ہے

سید فرخ علی جاوید

تمھارے بعد کوئی بھی ہمارا ہو نہیں سکتا
دلاسا صرف دینے سے سہارا ہو نہیں سکتا
منافق ہمسفر نکلا کہ دل میں میل رکھتا ہے
خدا جب تک نہ چاہے کچھ خسارہ ہو نہیں سکتا
کڑکتی دھوپ سے میرا بدن جلتا تو ہے لیکن
یہ شعلہ آنکھ کا تیری گوارہ ہو نہیں سکتا

جواندھی ہوگئیں آنکھیں تو پھر سپنوں کی کیا حاجت
کہ روشن میری قسمت کا، ستارہ ہو نہیں سکتا
مری اس شخص سے نسبت کبھی کم ہو نہیں سکتی
اب اس کے شہر میں فرحؔ گزارا ہو نہیں سکتا

اعظم نوید

کیسی گزری ہے یہاں دنیا میں دیوانوں کی
کوئی تو بات کرے چاک گریبانوں کی
ننگِ آدم ہو جہاں دنیا میں خلقت ساری
شان بڑھتی ہے کہاں شاہوں کے ایوانوں کی
وہ جو بنتے تھے خدا دنیا میں ظالم بندے
خاک اُڑتی ہوئی دیکھی ہے ہنومانوں کی
بیت جاتا ہے کڑا وقت بھی آخر اک دن
ٹوٹ ہی جاتی ہیں زنجیریں بھی زِندانوں کی
وہ جو ہوتے تھے کبھی شہر چراغاں سارے
دیکھی جاتی نہیں حالت بھی بیابانوں کی
جب سے توحید کا اک ڈنکا بجا ہے ہر سُو
مِل گئی خاک میں عزت بھی صنم خانوں کی
ہر کوئی اپنی ہی دنیا میں مگن ہے رہتا
کون لیتا ہے خبر سوختہ سامانوں کی
جسم پر کپڑا نہیں گھر میں ہے فاقہ مستی
فکر میں سارے ہیں گُم پیر کے نذرانوں کی
ہر کوئی کرتا ہے اب اردو زباں سے اُلفت
کتنی شہرت ہے یہاں اس کے دبستانوں کی
کوئی بھی اپنا نہیں سارے جہاں میں یارو
پوچھتا کوئی نہیں دل کے نہاں خانوں کی
اک عجب نرغے میں ہے اب تو وطن بھی سارا
خیر ہو اب تو مِرے پیارے گُلستانوں کی
مِٹ گیا خوفِ خدا دنیا کے دل سے اعظمؔ
کتنی حالت ہے عجب آج کے انسانوں کی

مبشر شہزاد۔گلاسگو

وادیٔ جسم و جاں سے گزرے ہیں
ہر کسی امتحاں سے گزرے ہیں
ہم سے آئی زمیں پہ شادابی
ہم مسافر جہاں سے گزرے ہیں
شعر بن کر غزل میں ڈھلتے ہیں
لفظ فہم و بیاں سے گزرے ہیں
ہیں معطر ہوا کے وہ جھونکے
وہ جو ان کے مکاں سے گزرے ہیں
لفظ میرے بھی شان والے ہیں
جب سے ان کی زباں سے گزرے ہیں
گھر پہ رہ کر بھی ہم مبشرؔ جی
آج سارے جہاں سے گزرے ہیں

مختلف مشہور اشعار

جب چلی ٹھنڈی ہوا بچہ ٹھٹھر کر رہ گیا
ماں نے اپنے لعل کی تختی جلا دی رات کو
''دیوار کیا گری مرے خستہ مکان کی'
''لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنا لیے'
جلتے جلتے بجھ گئی اک موم بتی رات کو
مر گئی فاقہ زدہ معصوم بچی رات کو
''زرد چہروں سے نکلتی رونی اچھی نہیں'
''شہر کی گلیوں میں اب آوارگی اچھی نہیں'
میرے ہی عہد میں سورج کی تمازت جاگے
برف کا شہر چٹخلے کی صدا ہی آئے
''ہر اک قدم یہ زخم نئے کھائے کس طرح'
''رندوں کی انجمن میں کوئی جائے کس طرح'
مسافروں میں ابھی تلخیاں پرانی ہیں
سفر نیا ہے مگر کشتیاں پرانی ہیں

لہو میں ڈوب کے تلوار میرے گھر بھیجی
وہ سر بلند ہوں دستار میرے گھر بھیجی
'ملبوس جب ہوا نے بدن سے چرا لیے
دوشیزہ گان صبح نے چہرے چھپا لیے

آفتاب عالم قریشی

ہمیں جینے کی حسرت ہے نہ مرجانے کی خواہش ہے
مگر اِس وقت سے آگے گزر جانے کی خواہش ہے
حسیں گرساری دُنیا ہے،تو ہو، دنیا سے کیا لینا
ہمیں تو بس ترے دل میں اُتر جانے کی خواہش ہے
دھنک کی ہے تمنّا، وہ ترے رخسار کو چھو لے
تبسّم کو ترے لب پر بکھر جانے کی خواہش ہے
یہ بزمِ دوستاں ہی اب ہمارا گھر ہوئی یارو
وہ جا سکتا ہے جس کو اپنے گھر جانے کی خواہش ہے
کسی کی کوششِ پیہم کبھی ضائع نہیں ہوتی
سُدھر ہی جائے گا،جس کو سُدھر جانے کی خواہش ہے
تمنائیں سبھی اِس دل کی پوری ہو چکیں شائد
اب اس ہنگامِ وحشت سے گزر جانے کی خواہش ہے
ترے ہوتے ہوئے رنگینیاں تھیں چار سُو اپنے
جوانی! تیرے جاتے ہی سُدھر جانے کی خواہش ہے
تعیّن ہو نہ پایا ''آفتاب'' اس بات کا اب تک
کہاں کا ہے ارادہ، اور کدھر جانے کی خواہش ہے

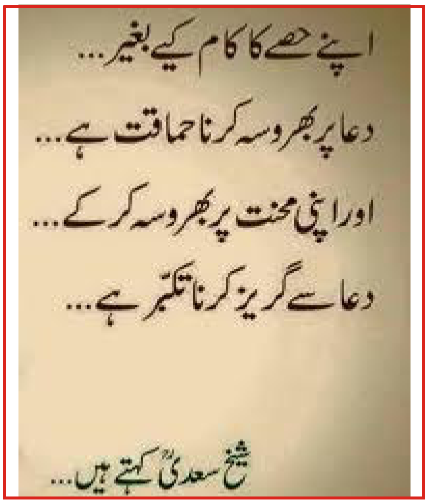

اسحاق ساجد

اشک سجدے میں آقا بہا آپ کا
ذکر کرتا رہوں میں سدا آپ کا
نار دوزخ جلائے گی ان کو نہیں
چن لیا جس نے ہے راستہ آپ کا
قبر کی سختیاں یہ دبائے گی کیا
یا نبیؐ ہے ہمیں آسرا آپ کا
آپؐ نے راہِ حق ہے دکھائی ہمیں
یہ کرم ہم پہ ہے مصطفیٰ آپ کا
کیا کمی ہے اسے یا نبیؐ یا نبیؐ
دل جگر جاں سے جو ہوگیا آپؐ کا
وصف کیسے کروں میں بیاں مصطفیٰ
یا نبیؐ ہے ثناءخواں خدا آپؐ کا
نعت احمدؔ لکھوں لب پہ دلکش کے ہو

عبدالحمید حمیدی کنیڈا

ہم سے پوچھو نہ بات چہروں کی
کھلتی جاتی ہے ذات چہروں کی
پڑھتے جایئے کتاب چہروں کی
ہے کہاں التفات چہروں کی
ادنیٰ اعلیٰ تونگر و فادار
یہ جہاں ہے بساط چہروں کی
تیرے در سے اُٹھے وہ ایسے کہ
لُٹ گئی کائنات چہروں کی
مئے دیدارِ عام بٹتی تھی
تھی میسر سوغات چہروں کی
معجزہ ہو جو تیری نظروں کا
دن میں ڈھل جائے رات چہروں کی

جذب شوخی سلیقہ مل جائے
دل کو چھو جائے بات چہروں کی
دیکھ کر اُن کو پھول کھلتے ہیں
کلیاں کرتی ہیں بات چہروں کی

ڈاکٹر منوؔر احمد کنڈے

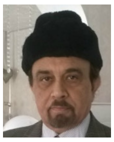

خشک صحراؤں کی دنیا کا مقدر میں تھا
یعنی پیاسوں کے لئے مثلِ سمندر میں تھا
اک زمانہ تھا کہ افکار مجھے ڈھونڈتے تھے
اک زمانہ تھا کہ احساس کا محور میں تھا
لہلہاتے ہوئے موسم سے تھی یاری میری
اور مہکتے ہوئے باغات کا منظر میں تھا
اب کسی اور کے قدموں کی ہے آہٹ مجھ میں
اس سے پہلے تو خود اپنے ہی اندر میں تھا
حکمرانی تھی زمیں والوں پہ جس دم میری
کون کہتا ہے اُس وقت ستمگر میں تھا
آسماں تک بھی منوؔر تھیں اڑانیں میری
تیز رفتار کوئی تھا تو زمیں پر میں تھا

ڈاکٹر منوؔر احمد کنڈے

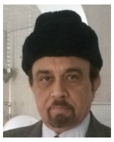

مسیحا تُو نے مٹانے کی جس کو ٹھانی ہے
وہ درد میری محبت کی اک نشانی ہے
نئے چراغ جلائے تھے جس نے محفل میں
اُسی کے گھر پہ اندھیروں کی حکمرانی ہے
جہاں پہ ہم ہیں وہاں کی اذّیتیں مت پوچھ
نہ نیند ہے نہ ہوا ہے، نہ دانہ پانی ہے
جسے سنانے کی خاطر میں آج آیا ہوں
اُسی غزل میں مِرے دل کی ترجمانی ہے
ہماری نیندوں کے قصّے ابھی ہیں زنگ آمیز

ہمارے خوابوں کی دنیا ابھی سہانی ہے
گزشتہ رُت میں منوؔر جو کھِل کے مرجھایا
مِری زبان پہ اُس پھول کی کہانی ہے

مبشر شہزاد۔گلاسگو

صحت کا ہے راز ہمیشہ خوش رہا کرو
تم کو حضور میری قسم خوش رہا کرو
چہرے پہ شائبہ بھی کسی دکھ کا نہ آنے پائے
دل میں چھپا کے بحر الم خوش رہا کرو
دیتا ہے ساتھ رب کریم صابرین کو
صبر و سکوں کے ساتھ عزیز من خوش رہا کرو
تفسیر غم ہی لکھتے رہوگے کہاں تلک
کرکے مسرتوں کو رقم خوش رہا کرو
خشنودئ شہر یار کی مل جائے گی تمہیں
سہ کر تمام اس کے ستم خوش رہا کرو
تنہائیوں میں باعث تسکین جاں ہے یہ
کرکے ذکر شاہ امم خوش رہا کرو

مبشر شہزاد۔گلاسگو

وادیِ جسم و جاں سے گزرے ہیں
ہر کسی امتحاں سے گزرے ہیں
ہم سے آئی زمیں پہ شادابی
ہم مسافر جہاں سے گزرے ہیں
شعر بن کر غزل میں ڈھلتے ہیں
ہیں معطر ہوا کے وہ جھونکے
وہ جو ان کے مکاں سے گزرے ہیں
لفظ میرے بھی شان والے ہیں
جب سے ان کی زباں سے گزرے ہیں
گھر پہ رہ کر بھی ہم مبشر جی
آج سارے جہاں سے گزرے ہیں

راجہ مہدی علی خان کی دلچسپ مزاحیہ نظم

جس میں ۵۲ سے زائد شاعروں اور ادیبوں کا ذکر خوب صورتی سے کیا گیا ہے

تمہاری اُلفت میں ہارمونیم پہ میرؔ کی غزلیں گا رہا ہوں
بہتر ان میں چھپے ہیں نشتر جو سب کے سب آزما رہا ہوں
بہت دنوں سے تمہارے جلوے خدیجہ مستور ہو گئے ہیں
ہے شکر باری کہ سامنے اپنے آج پھر تم کو پا رہا ہوں
لحاف عصمت کا اوڑھ کر تم فسانے منٹو کے پڑھ رہی ہو
پہن کے بیدی کا گرم کوٹ آج تم سے آنکھیں ملا رہا ہوں
تمہارے گھر ن۔م راشدؔ کا لے کے آیا سفارشی خط
مگر تعجب ہے پھر بھی تم سے نہیں میں کچھ فیضؔ پا رہا ہوں
بہت ہے سیدھی سی بات میری نہ جانے تم کیوں نہیں سمجھتیں
قسم خدا کی کلام غالبؔ نہیں میں تم کو سنا رہا ہوں
تمہاری زلف سیہ پہ تنقید کس سے لکھواؤں تم ہی بولو
'شری عبادت بریلوی' کو میں تار دے کر بلا رہا ہوں
میں تم پہ ہوں جاں نثار اخترؔ قسم ہے منشی فدا علی' کی
بہت دنوں سے میں تم پہ ساحرؔ سے جادو ٹونے کرا رہا ہوں
اگر ہو تم ہاجرہ' تو پھر مجھ سے مل کے مسرور' کیوں نہیں ہو
تمہارے آگے اوپندر ناتھ اشک' بن کے آنسو بہا رہا ہوں
حسین ہو زہرہ جمال ہو تم مجھے ستا کر نہال ہو تم
تمہارے یہ ظلم قرۃالعین کو بتانے میں جا رہا ہوں
مری محبت کی داستاں سن کے رو پڑے جوشؔ ملسیانی
سکھا کے پنکھے سے ان کے آنسو ابھی وہاں سے میں آ رہا ہوں
مری تباہی پہ چھاپ دیں گے نقوش کا ایک خاص نمبر
طفیلؔ صاحب کے پاس سارے مسودے لے کے جا رہا ہوں
وزیر آغاؔ پٹھان ہیں ساتھ ساتھ یاروں کے یار بھی ہیں
پکڑ کے وہ تم کو پیٹ دیں گے میں کل انہیں ساتھ لا رہا ہوں
'حکیم یوسف علی نے جب میری نبض دیکھی تو رو کے بولے
جگرؔ ہے زخمی تباہ گردے یہ بات تم سے چھپا رہا ہوں
ملیح آباد آج جا رہا ہوں میں جوشؔ لاؤں کہ آم لاؤں
ہیں دونوں چیزیں وہاں کی اچھی میں لاؤں کیا تلملا رہا ہوں
جو حکم دو واجدہ تبسم کا کچھ تبسم میں تم کو لا دوں
تمہارے ہونٹوں پہ غم کی موجوں کو دیکھ کر تلملا رہا ہوں
فسانہ عشق مختصر ہے قسم خدا کی نہ بور ہونا
فراقؔ گورکھپوری کی غزلیں نہیں میں تم کو سنا رہا ہوں
مری محبت کی داستاں کو گدھے کی مت سرگزشت سمجھو
میں کرشن چندر نہیں ہوں ظالم یقین تم کو دلا رہا ہوں
پلاؤ آنکھوں سے تا کہ مجھ کو کچھ آل احمد سرورؔ آئے
بہت ہیں غم مجھ کو عاشقی کے بنا پئے ڈگمگا رہا ہوں

(پنجابی) لوڑی دا۔ بسمِ اللہ کلیم

ِمیرا لُوں لُوں منڑ کا ہو جاوے تِرا عشق کرے کم ڈوری دا
مرے حال دے محرم اوہ وی نہیں جو پیار مِرے نال کردے نے
نہیں خبر مِرے غمخواراں نُوں میئُوں کی کی خوف اندر دے نے
دُنیاں توں کُجھ نہیں لَے جانڑا، میں عملاں توں وی خالی آں
تُوں پردہ رکھ لویں یارا مِرے اندر دی کمزوری دا
مِرا لُوں لُوں منڑ کا ھو جاوے تِرا عشق کرے کم ڈوری دا
میں بھریا نال گُناہواں دے رَچ گئی دُنیا وِچ ساہواں دے
لُٹ لَیندے میرِ یاں سوچاں نُوں قذّاق لُٹیرے راہواں دے
میں منّیا غلطی میری اے تِرے دَر توں آس بتھیری اے
کوئی اپنڑا بھیڑا وی ھووے نہیں کلّیاں کر کے چھوڑی دا
مِرا لُوں لُوں منڑ کا ھو جاوے تِرا عشق کرے کم ڈوری دا
دے ہمّت تسبیح پھیرن دی میں ھور بھلا کی لَینڑا اے
سب ھیرے موتی جھوٹھے نے اے تسبیح سُچّا گہنڑا اے
کونڑ آکھے کِنّی دیر کِسے اِس دُنیا اُتّے رہنڑا اے
جو عمر وی دیویں بِسم اللہ جے ذکر تِرے وِچ لَنگھ جاوے
بس آخری منڑکا پھیر لَواں نہیں لالچ لَمّی چوڑی دا
مِرا لُوں لُوں منڑ کا ھو جاوے تِرا عشق کرے کم ڈوری دا
تیرا ذکر کراں تسبیح بنڑ کے مینوں ھور نہیں کُجھ لوڑی دا
مِرا لُوں لُوں منڑ کا ھو جاوے تِرا عشق کرے کم ڈوری

امریکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار

مبشر زیدی

یہ بات آپ کو دجالی میڈیا کبھی نہیں بتائے گا کہ امریکا ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔ اس بات کو امریکا میں سب لوگ جانتے ہیں۔ لیکن میڈیا پر پابندیوں کی وجہ سے بیرون ملک کسی کو پتا نہیں چلتا چل سکا۔ امکان ہے کہ جلد یہ بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ میڈیا میں صرف اتنا بتانے کی اجازت ہے کہ چند شہروں میں ہنگامے جاری ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سیاہ فام لوگ کافی عرصے سے آزادی کی تحریک چلا رہے تھے۔ اب ان کی جدوجہد رنگ لائی ہے اور انھوں نے کئی ریاستوں کو آزاد کرا لیا ہے۔ واشنگٹن ڈی سی اور اس کی پڑوسی ریاستوں میں بھی سیاہ فام آبادی کی اکثریت ہے اور کئی دن سے وائٹ ہاؤس پر حملے جاری تھے۔ باخبر ذرائع کے مطابق ڈونلڈ ٹرمپ واشنگٹن چھوڑ کے فرار ہو چکے ہیں اور نائب صدر مائیک پینس روپوش ہیں۔ فی الحال یہ بات صیغہ راز میں رکھی جا رہی ہے۔ نیویارک ٹائمز کے ایک صحافی نے اخبار میں رپورٹ روکے جانے کے بعد اسے فیس بک پر پوسٹ کر دیا تھا۔ اب فیس بک نے بھی اسے ڈیلیٹ کر دیا ہے لیکن اس سے پہلے میں تفصیل دیکھ چکا تھا۔ اس رپورٹ کے مطابق امریکا میں کئی ریاستوں نے وفاق سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہے جس کا اعلان کسی بھی وقت متوقع ہے۔ شمالی ریاستوں میں سیاہ فام آبادی کی اکثریت ہے اور ان کی مرکزی تنظیم نے اپنے آزاد ملک کا نام یونائٹڈ بلیکس آف امریکا تجویز کیا ہے۔ اس کا دارالحکومت واشنگٹن ہی رہے گا۔ عبوری مدت میں اس کے صدر براک اوباما ہوں گے اور بعد میں انتخابات کرائے جائیں گے۔ جنوبی ریاستوں میں اسپینش بولنے والی آبادی کی اکثریت ہے اور وہ ایک عرصے سے اپنے حقوق کی جدوجہد کر رہے تھے۔ صدر ٹرمپ کی جانب سے میکسیکو کی سرحد پر دیوار بنانے کے اعلان سے یہ لوگ نہایت خفا تھے۔ ان کی میکسیکو میں رشتے داریاں بھی ہیں۔ ان ریاستوں پر مشتمل ملک کا نام اسپینش اسٹیٹس آف امریکا اور دارالحکومت ہیوسٹن ہوگا۔ اس کا سربراہ سابق صدر جارج بش کے بھائی جیب بش کو بنائے جانے کا امکان ہے جو فلوریڈا کے گورنر رہ چکے ہیں۔ مغربی ریاستوں میں نسل پرست سفید فام آبادی کا زور ہے اور وہ سب لوگ ڈونلڈ ٹرمپ کی پالیسیوں کے حامی ہیں۔ ان ریاستوں کے اتحاد کا نام کنفیڈریٹ اسٹیٹس آف امریکا اور دارالحکومت سیاٹل ہوگا۔ خیال ہے کہ یہاں ڈونلڈ ٹرمپ کو تاحیات صدر بنا دیا جائے گا۔ کیلی فورنیا نے کسی اتحاد کا حصہ بننے سے انکار کر دیا ہے۔ ویسے بھی وہ رقبے اور آبادی میں کئی ملکوں سے بڑی ریاست ہے۔ ملک کے تقسیم ہونے کے بعد اس کا نام ہالی ووڈ اسٹیٹس آف امریکا ہوگا اور لاس اینجلس کو دارالحکومت بنایا جائے گا۔ اس کے پہلے سربراہ سابق گورنر اور اداکار آرنلڈ شیوارزنیگر ہوں گے۔ مین لینڈ سے دور دور ریاستوں الاسکا اور ہوائی کے علاوہ پورٹو ریکو جیسے نیم خودمختار خطوں کا مستقبل ابھی غیر واضح ہے۔ میں مشورہ دوں گا کہ اس بارے میں فیس بک پر انگریزی میں کچھ نہ لکھیں ورنہ اس پر ایکشن لیا جائے گا اور آپ کا اکاؤنٹ بند بھی کیا جا سکتا ہے۔ جن دوستوں نے میری پرانی سچی تحریروں کو واٹس ایپ پر جنگل کی آگ کی طرح پھیلا دیا تھا ان سے درخواست ہے کہ ایک بار پھر مدد کو آئیں تاکہ پوری دنیا کو حقیقت کا علم ہو جائے۔ نصر من اللہ وفتح قریب۔

انور مقصود کی پوسٹ انجوائے کریں ''تبدیلی کا سفر''

ایاک نعبد و ایاک نستعین سے شروع ہو

انا اللہ مع الصابرین سے ہوتا ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کی طرف گامزن ہے۔ کیا ''سلیکٹرز'' (امپائرز) کوئی شرمندگی محسوس کر رہے ہیں یا ''چیف سلیکٹر'' ابھی تک اپنی پراڈکٹ پہ نازاں ہیں؟ اس تباہی و بربادی کی ذمہ دار حکومت ہے یا ''سلیکشن کمیٹی''؟ پاکستانیوں کو مدینے کا ٹکٹ دکھا کر کُوفے میں دھکیل دیا گیا ہے۔ پی ٹی آئی کو حکومت اگر 1947ء میں بھی مل جاتی تب بھی اُنہوں نے یہی رونا تھا کہ انگریز پورا ملک تباہ کر گیا ہے۔ سروے کے مطابق عمران خان کو تمام ترقیاتی پروجیکٹ اور بیویاں ایسی ملیں جن کا افتتاح پہلے سے ہی کوئی کر چکا تھا۔ تبدیلی کا کیڑا اب صرف ان لوگوں میں زندہ ہے جن کا جیب خرچ ابھی تک والدین یا محلے والے اُٹھا رہے ہیں۔ تبدیلی لوٹوں سے شروع ہوئی ہالینڈ کی سائیکل سے ہوتی ہوئی انڈوں، مرغیوں، کٹوں اور پھر IMF کی خودکشی تک پہنچ چکی ہے مزید پیش قدمی جاری ہے۔ مجھے اللہ سے قوی اُمید ہے کہ جو مسلمان پی ٹی آئی کے فتنے سے بچ گیا وہ دجال کے فتنے سے بھی بچے گا انشاءاللہ۔ پی ٹی آئی والوں سے بحث کر کے اپنا وقت ضائع نہ کریں یہ صرف آپ کے سامنے ڈٹے ہوتے ہیں۔ اکیلے میں یہ بھی حسن نثار کی طرح خود پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے پی ٹی آئی والوں سے بحث مت کریں اس کا اندازہ فیصل واڈا سے لگایا جا سکتا ہے۔ عمران نیازی خود تو سائیکل پر دفتر نہ جا سکے لیکن عوام کو سائیکل چلانے پر مجبور کر دیا۔ روز جو 12 ارب کرپشن ہوتی تھی کیا اب بھی ہو رہی ہے؟ اگر نہیں تو آٹھ ماہ میں 2880 ارب روپے جمع ہو چکے ہیں وہ کہاں گئے؟ اختلاف اپنی جگہ لیکن یہ بات ماننی پڑے گی کہ عمران خان واقعی غریبوں کے لیے فرشتہ بن کر سامنے آیا ہے۔ وہ بھی موت کا۔

***

طنزیہ- پڑھیئے اور سر دھنیئے

ابھی تو ہمیں صرف یہ پتہ چلا ہے کہ الخزینی بھی ہمارے جلیل القدر ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور سلطان بشیر الدین محمود کی طرح ایک سرکاری افسر تھے۔ دن کے وقت سلطان سنجر بن ملک شاہ کی سلجوقی سلطنت کے امور خزانہ دیکھتے تھے اور رات کو چھت پر چڑھ کر تارے گنا کرتے تھے۔ خزانے کی قیمتی دھاتوں کا وزن کرنے کے لیے الخزینی نے بہت سے نئے طریقے ایجاد کیے اور ان کے بارے میں ایک ضخیم کتاب الاوزان بھی لکھ ڈالی۔ الخزینی کے اوزان اور پیمائش کے آلات اصلی اور نقلی دھاتوں میں تمیز کرنے کے لیے بہترین تھے اور اس سے خزانے میں کی جانے والی بدعنوانی سے سلطنت کو چھٹکارا ملا۔ اس کے علاوہ الخزینی نے برہنہ آنکھ سے ستارے دیکھنے کے لیے بھی کچھ آلات بنائے پر وہ شاید اس کی وفات کے بعد چوری ہو گئے اس لیے ان کا سراغ نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ الخزینی نے اس زمانے کی سب سے بہترین جنتری بھی تحریر کی۔ انٹرنیٹ نہ ایجاد ہوتا تو آج بھی وہ جنتری جہلم کے پل پر رکی ہوئی بسوں میں بیسٹ سیلر ہوتی۔ دیکھا آپ نے۔ اوزان، جنتریاں اور فلک پیمائی۔ اللہ اللہ ایسا ذہن اور آج تک ہم اس سے بے خبر رہے۔ اس کے مقابلے میں کافر ڈاکٹر عبدالسلام کے پاس کیا دھرا ہے۔ ایک تو ان کا نام ہی ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے آباء و اجداد بھی جھنگ جیسی پسماندہ جگہ کے تھے۔ خراسان، بغداد اور خوارزم سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ پھر کیا بھی تو کیا کیا۔ تیرہ سال کی عمر تک ایک مقالہ نہیں لکھ پائے پھر چودہ سال کی عمر میں جا کر کہیں پہلا مقالہ تحریر کیا۔ کسی طرح کھینچ تان کر کیمرج نامی کسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی بھی کر لی۔ لے دے کر اٹلی میں ایک مرکز برائے نظری طبعیات بنایا۔ سرکاری ملازمت کی بھی، تو نہ خزانہ کی وزارت میں نہ صنعت میں۔ ایٹمی توانائی کمیشن نامی ایک فضول سے ادارے سے وابستہ رہے پانسو وظائف بھی نوجوان سائنسدانوں پر ضائع کیے جس سے دو تین اچھی بھلی سڑکیں بن سکتی تھیں۔ لاہور میں پی اے ای سی اور وزیر اعظم یونیورسٹی میں مرکز برائے نظری طبعیات پر قوم کا خزانہ لٹاتے رہے۔ اپنے ساتھ ساتھ انہوں نے ڈاکٹر اشفاق احمد، رضی الدین اور عشرت عثمانی جیسے لوگوں کو بھی خراب کیا۔ یہ حضرات ڈاکٹر عبدالسلام کے بہکاوے میں آ کر سرن جیسی جگہوں کو چھوڑ کر واپس آئے اور قومی خزانہ اور وقت ضائع کر کے ایک جوہری توانائی کمیشن کو رگیدتے رہے، ایک پی اے ای سی کے عمارتیں بڑھاتے رہے اور ملک میں پلوٹونیم اور یورینیم کی کھوج کے لیے کمیٹیاں تشکیل دیتے رہے۔ ان فضول کاموں پر مغرب نے انہیں بڑھاوا دینے کے لیے بلا وجہ ان کی واہ واہ شروع کر دی۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب در پردہ انہی کے ایجنٹ تھے اس لیے ان کو اہم بنانے کی سازش کے تحت پاک امریکی خلائی تعاون کا معاہدہ بھی ان کے ذریعے ہوا اور 1961 میں ناسا نے بلوچستان میں خلائی تحقیقاتی مرکز بھی قائم کر دیا۔ اب کوئی پوچھے اگر وہ واقعی سنجیدہ ہوتے تو کیا آج 57 سال بعد بھی بلوچستان سے کوئی راکٹ خلا میں کیوں نہیں گیا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم نے ڈاکٹر عبدالسلام کو کام نہیں کرنے دیا۔ ناسا بگٹی یا مری قبائل کے ساتھ ہی کام کر سکتا تھا۔ نیت صاف ہونی چاہیے۔

۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر عبدالسلام کی کوششوں سے ہونے والا پاک کینیڈا جوہری توانائی معاہدہ بھی انہی مغربی سازشوں کا تسلسل تھا۔ دنیا کی آنکھوں میں مکمل دھول جھونکنے کی خاطر اسی سال ڈاکٹر عبدالسلام کو بیچ میں رکھ کر امریکہ نے ہمیں ایک ری ایکٹر بھی دے ڈالا اور نیلور کے مقام پر ایڈورڈ سٹون کے ساتھ پاکستان انسٹیوٹ آف نیوکلیئر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے قیام کا معاہدہ بھی کروا دیا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالسلام نے سپارکو نامی ایک سفید ہاتھی بھی قوم پر مسلط کیا جو سیارے چھوڑنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتا۔ کوئی پوچھے پہلے ہی خلا میں اتنے بیکار سیارے گھوم رہے ہیں۔ مزید سیارے چھوڑ کر کیا فایدہ ہو گا۔ یہی پیسہ اگر صحیح طرح صرف ہوتا تو آج ملک میں جامعہ حفصہ اور جامعہ حقانیہ کی کئی شاخیں قائم ہو سکتی تھیں۔ صرف ادارہ ہی نہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے زرمبادلہ پر کاری ضرب لگاتے ہوئے ہمارے خلائی سائنسدانوں کی تربیت کا ناسا سے معاہدہ بھی کروا ڈالا۔ تربیت بے شک مفت تھی پر کھانے پینے سفر اور رہائش کے ضمن میں ہمارے خزانے کو بے پناہ نقصان ہوا۔

بھٹو صاحب کے ایٹم بم والے خواب کی باگ ڈور بھی ڈاکٹر عبدالسلام کو سونپی گئی تھی پر بھٹو کو جیسے احمدیوں کے حوالے سے عقل آئی ویسے یہ لگام بھی ایک مومن ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو تھما دی گئی۔ کچھ حاسدین کا خیال ہے کہ عبدالقدیر صاحب کو ایٹمی توانائی کا کچھ پتہ نہیں تھا اور پروگرام کی بنیاد ان دستاویزات پر تھی جو ڈاکٹر عبدالسلام نے امریکہ کے مین ہٹن پروگرام کے حوالے سے مرتب کی تھیں۔ پر حاسدین ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔ ہمیں اس

بات کا یقین اس وقت آیا جب ڈاکٹر صاحب نے بانگ دہل آغا وقار کی پانی والی کار کو سائنسی اعتبار سے درست قرار دیا۔ تندی باد مخالف میں ڈاکٹر عبدالقدیر جیسا شاہین ہی پرواز کر سکتا ہے۔ جہاں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو مغرب نے اپنے بغض میں کبھی کوئی اعزاز نہیں دیا وہیں انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ایک گہری اور سوچی سمجھی سازش کے تحت عالمی قامت کا سائنسدان بنا ڈالا۔ 1950 کا سمتھ پرائز، 1958 کا ایڈم پرائز، 1964 کا ہیو تمغہ، 1968 کا جوہری امن انعام، 1978 کا شاہی تمغہ، 1979 کا نوبیل انعام، 1980 کا جوزف اسٹیفان تمغہ، 1981 کا لومنسوو سونے کا تمغہ اور 1999 کا کوپلے میڈل۔

ٹھیک ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی کم از کم ایک درجن نظری طبعیات کے مقالے ایسے ہیں جن سے طبعیات کی ایک نئی جہت کا تعین ہوا۔ گرینڈ یونیفائیڈ تھیوری، الیکٹرو ویک تھیوری، گولڈسٹون بوسن اور ہگز میکینکس بھی ان کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ خدائی ذرہ کہلوانے والا ہگز بوسن بھی ان کی تحقیق کا تسلسل ہے لیکن اس سب سے اُمت مسلمہ کو بھلا کیا فائدہ پہنچا۔ الباکستان کی نظریاتی اساس کا اس سے کیا لینا دینا۔ الخزینی کے نام کی خوبصورتی کو بھول بھی جائیں تو بھی اس کی وجہ سے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوئی۔ یورینیم اور پلوٹونیم نہ سہی۔ الخزینی نے ہیرے، زمرد اور یاقوت کے ڈھیر تو لگائے۔ یوں بھی یورینیم کے بدلے ملتا ہی کیا ہے۔ الخزینی عبدالسلام کی طرح کوئی معمولی استاد نہیں تھا ایک اعلیٰ سرکاری افسر تھا وہ بھی وزارت خزانہ کا۔ پھر اس کا نام ابو سے شروع ہوتا ہے اور آخری لاحقہ ال کے ساتھ ہے۔ مملکت الباکستان کی نشاۃ ثانیہ اور نشاط ابدی اسی میں ہے کہ اس کے نام پر صرف نظری طبعیات کا مرکز نہیں، پوری جامعہ ہونی چاہیے موازنہ کر لیں۔ قائداعظم یونیورسٹی اچھا نام ہے یا جامعہ ابوالفتح عبدالرحمان منصور الخزینی۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ قائداعظم اسماعیلی بھی تھے اور سرکاری افسر بھی نہیں تھے۔ سوچتے ہوئے شاعری سے محظوظ ہونا چاہیں تو ایک مقبول عام پر نا قابل اشاعت شعر پر یار من محمد حسن معراج کی اس تحریف کا لطف اٹھائیے۔

یہ ملک نظریاتی ہے تیرے خیال میں
تو اور تیرا خیال

(ابوالفتح الخزینی)

منشا یاد کے اَفسانوں میں دیہی معاشرت

محمد نعیم یاد

اُردو اُفق پہ منشا یاد کا نام کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء کو موضع ٹھٹھہ نشتر براستہ فاروق آباد تحصیل و ضلع شیخوپورہ (پنجاب) پاکستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا کا نام غلام محمد حکیم تھا۔ غلام محمد حکیم پیشے کے لحاظ سے طب کے پیشے سے وابستہ تھے۔ غلام محمد حکیم نے طب اپنے ماموں زاد حکیم مولا داد سے سیکھی۔ منشا یاد کے دادا غلام محمد حکیم سے طب و حکمت منشا یاد کے چچا محمد خلیل کو منتقل ہوگئی۔ منشا یاد کے والد کا نام نذیر احمد تھا۔ نذیر احمد پہلے زراعت کے شعبے سے وابستہ رہے مگر بعد میں طب کا پیشہ اختیار کیا۔ آپ کی والدہ کا نام بشیرہ بی بی بنت محمد اسمٰعیل تھا۔ بشیرہ بی بی ایک نیک اور پرہیزگار خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ کتابیں پڑھنے کا شوق بھی رکھتی تھیں۔ خاص طور پر پنجابی اَدب کا مطالعہ بہت دلچسپی سے کرتی تھیں۔ اپنے افسانوی مجموعہ ''شہر فسانہ'' کے حرفِ دوم میں منشاء یاد اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

والدین زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ ان کی تعلیم دینی اور مکتبی تھی۔ ماں جی اور پھوپھی گھر کا کام کاج کرتے ہوئے اکثر بارہ ماہوں، دوہڑوں اور سی حرفیوں کے ابیات گنگناتی رہتیں رات کو گھر میں خوب محفل جمتی۔

(۱) منشا یاد کو شعر و اَدب کا ماحول گھر ہی سے ملا۔ اگر یہ کہا جائے کہ منشا یاد کو اَدب سے دلچسپی ماں جی سے ورثے میں ملی تو غلط نہ ہوگا۔ منشا یاد خود بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ اس حوالے سے اَسلم سراج الدین لکھتے ہیں کہ:

منشا یاد کے دو ماموں تھے جو اَب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بڑے غلام محمد، جو ان کی بہن زہرہ کے سسر اور شاعر بھانجے خلیق الرحمن کے دادا تھے، مذہبی سکالر اور شعر و اَدب کا اچھا ذوق رکھنے والے بزرگ تھے۔ منشا یاد کا خیال ہے کہ ان میں اَدبی ذوق والدہ کے توسط سے ننھیال کی طرف سے آیا۔

(۲) منشا یاد نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں گجیانہ میں حاصل کی۔ پھر منشا یاد کے والد نے ماسٹر رحمت اللہ کے مشورے سے آپ کو ایم بی ہائی سکول نمبر ا حافظ آباد میں داخل کروایا۔ لیکن یہاں آپ کو دوبارہ پانچویں جماعت میں ہی داخلہ ملا، اور ۱۹۵۵ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان بھی یہاں سے ہی امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ ۱۹۵۷ء میں جی ایس ای رسول سے سول انجینئرنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ ۱۹۶۴ء میں ادیب فاضل کورس، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے کیا۔ ۱۹۶۵ء میں بی۔ اے کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ اس

کے بعد ۶۷۔۱۹۶۵ء میں حشمت علی اسلامیہ کالج راولپنڈی سے اُردو میں ایم اے کیا۔پھر ۷۶۔۱۹۷۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پنجابی زبان میں پرائیویٹ طور پر ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰ء تک آپ پی ڈبلیوڈی کے محکمہ بحالیات اور بعد ازاں دارالحکومت کے ادارے (سی ڈی اے، اسلام آباد) میں بحیثیت سب انجینئر/ اسسٹنٹ انجینئر/ ایگزیکٹوانجینئر، کے عہدوں پر فائز رہے۔

پھر ۱۹۶۰ء تا ۱۹۹۷ء میں افسر تعلقات عامہ اور افسر اعلیٰ شکایات کے عہدوں پر اپنے فرائض سرانجام دینے کے بعد یہاں سے ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔منشایاد نے اَدبی سفر کا آغاز نہ صرف کہانیوں سے بلکہ کہانیوں کے ساتھ ساتھ شاعری سے بھی کیا۔اور یہاں پر انھوں نے اپنا تخلص یادؔ استعمال کیا۔مگر دوست احباب کے سمجھانے پر شاعری کو ترک کرنے کا ارادہ کیا اور صرف کہانیوں اور نثری تخلیقات کی طرف توجہ دی۔اس حوالے سے منشا یاد ’’شہرِ فسانہ‘‘ کے حرفِ دوم میں یوں بیان کرتے ہیں:

عنفوانِ شباب میں ہر شخص آدھا شاعر تو ضرور ہوتا ہے۔میں بھی تھا۔ شروع میں کہانیوں کے علاوہ شاعری بھی کرتا تھا۔لیکن پھر چھوڑ دی کیوں؟ پہلی بات تو یہ کہ شاعری کے انسپائریشن کا ہونا ضروری ہے۔ادھر یہ چاند جلد ہی غروب ہوگیا،اب اماوس میں کیا سجھائی دیتا۔دوسری بات یہ کہ بعض رسالوں میں اس قسم کے اعلانات چھپتے دیکھے کہ مہربانی کر کے ہمیں نظمیں،غزلیں نہ بھجوائی جائیں ان کا ذخیرہ بہت ہوگیا ہے۔ہمیں نثری تخلیقات کی ضرورت ہے۔تیسرے یہ کہ شاعر تو پہلے ہی بہت تھے سوچا شاعری چھوڑ دی تو کچھ فرق نہ پڑے گا مگر نثر نہیں چھوڑی جاسکتی تھی۔کیوں کہ کچھ کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جو صرف آپ ہی لکھ سکتے ہیں۔

(۳) منشا یاد جدید اُردو افسانے کا معتبر حوالہ ہیں۔منشا یاد نے اپنے اَفسانوں میں زندگی کی مختلف جہات کو پیش نظر رکھا ہے۔ان کے اَفسانوں میں زندگی اپنی پوری رنگا رنگی کے ساتھ موجود ہے۔منشا یاد کے اَفسانوں میں موضوعات کے حوالے سے بڑا تنوع ہے۔انھوں نے معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے مختلف طبقات کے افراد کی حرکات وسکنات کو بے نقاب کیا ہے۔ ان کے اَفسانے ہمارے معاشرے کے ذہنی، جذباتی، معاشرتی اور فکری رجحانات کا آئینہ ہیں۔بقول منشایاد:

’’میرے اَفسانوں کے موضوعات بھی مخصوص نہیں، متنوع ہیں۔اِنسانی زندگی کے سارے ہی پہلوؤں اور رُخوں کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ دیہاتی اور شہری زندگی کے مختلف پہلو، فرد اور معاشرے کے داخلی اور خارجی معاملات، وسائل، عام آدمی کے دکھ سکھ، ماحول کی گھٹن، سیاسی جبر اور طبقاتی تقسیم سے متعلق موضوعات میرے بہت سے اَفسانوں کا موضوع بنے۔‘‘

(۴) منشا یاد کو اپنے عہد کے اَفسانہ نگاروں میں یہ انفرادیت بھی حاصل ہے کہ وہ دیہات کی عکاسی میں فکر کے ساتھ فن کے تجربے بھی کرتے ہیں اور انھوں نے روایتی انداز کو من وعن نہیں اپنایا بلکہ انھوں نے جدت وندرت سے کام لیا اور سب باتوں کو علامتوں کے ذریعے پیش کر دیا۔منشا یاد اس حوالے سے جدید اَفسانہ نگاروں میں منفرد مقام رکھتے ہیں کہ دیگر جدید اَفسانہ نگاروں کے برعکس گھمبیر اور گہری علامتوں کے بجائے ہلکی پھلکی علامتوں اور استعاروں کا استعمال کیا۔منشا یاد جہاں روایت سے جڑے ہوئے ہیں وہیں وہ روایت میں نیا پن پیدا کرتے ہیں۔ان کے اَفسانے جہاں کلاسیکی طرز لیے ہوئے ہیں وہیں جدت کی ہم آہنگی کلاسیکی انداز کو ایک نئے معنی عطا کر رہی ہے۔اس حوالے سے جمیل ملک رقم طراز ہیں:

’’یوں کہا جا سکتا ہے کہ منشا یاد ایک طرف روایت میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف جدت کو نئی نئی جدتوں کے روبرو کرنے کی سعی کر رہا ہے۔‘‘

(۵) منشا یاد نے اپنے افسانوں میں دیہی زندگی کو جس انداز سے پیش کیا ہے اس سے ان کی دیہی زندگی کے متعلق گہرے مشاہدے کی نشاندہی ہوتی ہے۔انھوں نے تواتر کے ساتھ پنجابی دیہات کو اپنا موضوع بنایا اور اِس حوالے سے ان تمام تر امکانات کو افسانوں میں ڈھالا جو پنجابی دیہات کے حقیقی تشخص کو اُجاگر کر سکتے ہیں۔منشا یاد کا اپنا تعلق پنجاب کے ایک ایسے دیہات سے رہا ہے جہاں اُنہوں نے غریب گھرانے میں آنکھ کھولی۔یوں اُن کا مشاہدہ اور تجربہ دیہات سے متعلق سنی سنائی دانش یا مطالعے کی بدولت نہیں، اپنے تجربات پر مشتمل ہے۔یوں بھی وہ اِس نقطۂ نظر کے قائل رہے ہیں کہ عصری شعور حقیقی تجربات ومشاہدات کے بغیر تخلیقی تجربہ نہیں بننا چاہیے۔بقول ڈاکٹر اقبال آفاقی:

’’منشا یاد کی کہانیوں کے موضوعات اور کردار ہمارے ملک کے اندر موجود تیسری دنیا کے مصائب زدہ اور مفلوک الحال لوگ ہیں جو بیسویں صدی میں سانس لینے کے باوجود تاریک صدیوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں یا مجبور کر دیے گئے ہیں۔جن پر زندگی شکر دوپہر کی طرح نازل ہوئی ہے۔جو توہمات کے سہارے اور موہوم امیدوں کو دل میں بسائے زندگی بتا دیتے ہیں اور کنویں کے مینڈک کی طرح عمر گزار کر مرجاتے ہیں‘‘

(۶) منشا یاد کا مشاہدہ بہت گہرا ہے۔وہ چھوٹی سے چھوٹی بات کو نہایت فنی ہنرمندی سے پیش کیا۔عمیق مشاہدے کی بنا پر انھوں نے چھوٹے چھوٹے

موضوعات کی بھی اس طرح مربوط انداز میں عکاسی کی ہے کہ اَفسانہ نگاری کا حق ادا کر دیا۔ منشا یاد کا اَفسانوی فن معاشرے کے ساتھ پیوست ہے۔ وہ قومی، معاشی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں۔

منشا یاد نے اپنے اَفسانوں میں دیہات کو خاص طور پر موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے بیسویں اور اکیسویں صدی کے دیہات کو بیان کیا ہے لیکن مسائل آج بھی وہی ہیں اور نچلی ذاتوں کو خواہ ہندو معاشرہ ہو یا مسلم، دیہات میں ایک جیسے مسائل کا سامنا ہے۔ منشا یاد کا اَدبی سفر عہد حاضر میں دیہاتی معاشرت کے حوالے سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنے دیہات کی سونی مٹی سے اپنی محبت کا اظہار اَفسانوں کی صورت میں کیا۔

بقول ڈاکٹر اسد فیض: ''اپنے اَفسانوں میں منشا یاد نے پنجاب کے دیہات کی ریت روایت، کسانوں اور نچلے متوسط طبقے کی کہانی بیان کی ہے۔ وہ ماحول اور ثقافت جو شہروں کی دِلکشی کے پس منظر میں گم ہوتا جا رہا ہے۔ منشا یاد نے اس کی کہانیوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے وہ پریم چند کی روایت کا ایک دیہات نگار ہے۔''

(۷) منشا یاد نے دیہاتیوں کو ان کی گہرائیوں میں ڈوب کر دیکھا ہے، کیونکہ وہ خود دیہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سادہ دل دیہاتیوں کے غم اور خوشی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ان کے اَفسانوں میں سادہ لوح دیہاتی اور ان کی بے لوث زندگی، خلوص، مہمان نوازی، رسم و رواج، غم، خوشیاں، دوستیاں، دشمنیاں، خودداری کو بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ انھوں نے دیہاتی زندگی کی عکاسی اس انداز میں کی ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا اور قاری کے سامنے دیہاتی زندگی اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ گھومنے لگتی ہے۔ منشا یاد دیہاتی زندگی کی جان دار مصوری اور نقاشی کرتے ہیں۔ دیہات کے موضوع سے انھیں والہانہ محبت ہے۔

منشا یاد نے اپنے اَفسانوں میں دیہاتیوں کی سماجی اور معاشرتی زندگی کی بھی بھرپور عکاسی کی ہے۔ دیہاتیوں کی سادہ لوح باتیں، زمینداروں اور چودھریوں کی باتیں، ایک دوسرے کے دکھ درد بٹانے کی باتیں، ساس بہو کے جھگڑے، بھوت پریت کی باتیں، مولویوں کے فتوے وغیرہ قاری کی توجہ اپنی طرف کرتی ہیں۔

بقول نجم الحسن رضوی: ''منشا یاد کے اَفسانوں سے عبارت زندگی کے کوچے میں بھی ہمیں تفکر کے نت نئے دریچے کھلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کے اَفسانے بڑے نمایاں انداز میں دیہی معاشرت کی قدیم روایات، اعتقادات اور لوک دانش کا عکس پیش کرتے ہیں۔''

(۸) منشا یاد کے تمام اَفسانوی مجموعے زندگی کے مختلف موضوعات سے عبارت ہونے کے باوجود ایک اہم موضوع کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں اور وہ ہے دیہاتی معاشرت کی عکاسی۔ ان کے بیشتر فن پارے بیسویں اور اکیسویں صدی کے دیہات اور ان سے منسوب جملہ لوازمات زندگی کو بیان کیا ہے۔ یہ وہی مسائل ہیں جو کل بھی تھے اور آج بھی جوں کے توں ہیں یہاں تک کہ نچلی ذاتوں کو خواہ ہندو معاشرہ ہو یا مسلم کو مسائل اور معاملات زندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ نہ صرف استحصالی نظام کی جکڑ بندیاں ان کی زندگی اجیرن کر دیتی ہیں بلکہ ان کی زندگیاں جاگیرداروں کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں۔ منشا یاد نے دیہی منظر کشی کو اپنے ناول اور افسانوں میں برتا ہے وہ انہیں کا ملکہ ہے۔ ان کا دیہی اسلوب اس قدر شفاف، چمکیلا، نرمل اور نکھرا ہوا ہے کہ حقیقت کے پرتو میں بے ساختہ ندرت پن آجاتا ہے اور اسی دیہی اسلوب کی بنا پر منشا یاد کرداروں کے تئیں صحیح انصاف کر پاتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے کردار محض تفریح و تفنن طبع کا سامان نہیں ہوتے بلکہ سبق آموز اور نصیحت آمیز ہوتے ہیں۔ منشا یاد کے افسانوں کا موضوع ہمیشہ حقیقت پر مبنی رہا۔ انہوں نے جو دیکھا پرکھا اور تجربہ کیا۔ وہی قلم بند کر کے اپنے افسانوں میں پرو یا۔ اس لئے وہ جہاں کہیں اپنے دکھ کی عکاسی کرتے ہیں تو بالکل حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ نیز انہوں نے اپنے آس پاس کے ماحول گاؤں والوں، کسانوں، مزدوروں اور غریب غرباء کی حالت کو دیکھ کر اپنے افسانوں میں ان کرداروں کو زندہ کر دیا۔ بلاشبہ منشا یاد کے افسانوں کے یہ کردار ان کی فنکارانہ جہتیں ہیں جن کی بدولت آج بھی اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اردو افسانوں میں نت نئے تکنیکی اور فنی تجربات کے باوجود منشا یاد جیسا افسانہ نگار اُردو افسانہ نگاری پر حاوی ہے۔

حوالہ جات:

(۱) منشا یاد، شہر فسانہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۱۱

(۲) اسلم سراج الدین، منشا یاد، شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۲۸)

(۳) اسلم سراج الدین، منشا یاد، شخصیت اور فن، ص ۱۵)

(۴) اسد فیض، منشا یاد سے ایک ادبی مکالمہ، ادب ساز، دہلی، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۵)

(۵) جمیل ملک، ادبی منظر نامے، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۲۹۹

(۶) اقبال آفاقی، ڈاکٹر، منشا یاد کے منتخب افسانے، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۲۳)

(۷) اسد فیض، ڈاکٹر، پریم چند کی روایت کا دیہات نگار، ادب ساز، دہلی، اکتوبر دسمبر، ۲۰۰۶ء، ص ۱۸۹)

(۸) نجم الحسن رضوی، درخت آدمی نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۲۲۸)

اردو لکھنے میں کی جانے والی 12 غلطیاں

رضوان طاہر مبین

پہلی۔اردو کے مرکب الفاظ الگ الگ کر کے لکھنا چاہئیں، کیوں کہ عام طور پر کوئی بھی لفظ لکھتے ہوئے ہر لفظ کے بعد ایک وقفہ (اسپیس) چھوڑا جاتا ہے، اس لیے یہ خود بخود الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ دراصل تحریری اردو طویل عرصے تک 'کاتبوں' کے سپرد رہی، جو جگہ بچانے کی خاطر اور کچھ اپنی بے علمی کے سبب بہت سے لفظ ملا ملا کر لکھتے رہے۔جس کی انتہائی شکل 'ہم آج شکؤ' کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔ بہت سے ماہر لسانیات کی کوششوں سے اب الفاظ الگ الگ کر کے لکھے تو جانے لگے ہیں، لیکن اب بھی بہت سے لوگ انہیں بدستور جوڑ کر لکھ رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب یہ اردو کے الگ الگ الفاظ ہیں، تو مرکب الفاظ کی صورت میں جب انہیں ملا کر لکھا جاتا ہے، تو نہ صرف پڑھنا دشوار ہوتا ہے، بلکہ ان کی 'شکل' بھی بگڑ جاتی ہے۔مندرجہ ذیل میں ان الفاظ کی 12 اقسام یا 'طرز' الگ کر کے بتائی جا رہی ہیں، جو دو الگ الگ الفاظ ہیں یا ان کی صوتیات کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں الگ الگ کر کے لکھنا ضروری ہے۔ جب کہ، چوں کہ، چناں چہ، کیوں کہ، حالاں کہ کے لیے، اس لیے، اس کو، آپ کو، آپ کی، ان کو، ان کیطاقت وَر، دانش وَر، نام وَر کام یاب، کم یاب، فتح یاب، صحت یاب۔گم نام، گم شدہ۔خوش گوار، خوش شکل الم ناک، وحشت ناک، خوف ناک، دہشت ناک، کرب ناک صحت مند، عقل مند، دانش مند، شان دار، جان دار، کاٹ دار، اَن مول، اَن جانا، اَن مٹ، اَن دیکھا، اَن چُھوا بے وقوف، بے جان، بے کار، بے خیال، بے فکر، بے ہودہ، بے دل، بے شرم، بے نام، امرت سر، کتاب چہ۔خوب صورت، خوب سیرت وغیر۔

دوسری۔اردو لکھتے ہوئے ہمیں یک ساں آواز مگر مختلف املے کے الفاظ کا خیال رکھنا چاہیے، جیسے کہ 'کے اور کہ'، سہی اور صحیح، صدا اور سدا، نذر اور نظر، ہامی اور حامی، سورت اور صورت، معرکہ اور مارکہ، قاری اور کاری، جانا اور جاناں وغیرہ۔

تیسری۔اردو کا اہم ذخیرہ الفاظ فارسی کے علاوہ عربی کے الفاظ پر بھی مشتمل ہے، جس میں بہت سی تراکیب بھی عربی کی ہیں، ان کو لکھتے ہوئے ان کے املے کا خیال رکھنا چاہیے، جس میں بعض اوقات الف خاموش (سائلنٹ) ہوتا ہے جیسے بالکل، بالخصوص، بالفرض، بالغرض وغیرہ۔ جب کہ کہیں چھوٹی 'ی' یا کسی اور لفظ پر کھڑی زبر ہوتی ہے، جو الف کی آواز دیتی ہے، جیسے وزیر اعلیٰ، رحمٰن اور اسحٰق وغیرہ، اسی طرح بہت سی عربی تراکیب میں 'ل' ساکت ہوتا ہے جیسے 'السلام علیکم' اسے 'ل' کے بغیر لکھنا فاش غلطی ہے

چوتھی۔زیر والے مرکب الفاظ جیسے جانِ من (نہ کہ جانے من) جانِ جاں (نہ کہ جانے جاں) شانِ کراچی (نہ کہ شانے کراچی) فخرِ پنجاب (نہ کہ فخرے پنجاب) اہلِ محلہ (نہ کہ اہلے محلہ) وغیرہ کی غلطی بھی درست کرنا ضروری ہے۔

پانچویں۔اپنے جملوں میں مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے 'کر دینا ہے' نہیں بلکہ 'کر دیں گے' لکھنا چاہیے، جیسے اب تم آ گئے ہو تو تم بول بول کے میرے سر میں درد کر دو گے (نہ کہ کر دینا ہے) اب ٹیچر آ گئے ہیں تو تم کتاب کھول کر پڑھنے کی اداکاری شروع کر دو گے (نہ کہ کر دینی ہے) لکھنا چاہیے۔

چھٹی۔اردو کے 'مہمل الفاظ' میں 'ش' کا نہیں بلکہ 'و' کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے کتاب وتاب، کلاس ولاس، اسکول وسکول، پڑھائی وڑھائی، عادت وادت وغیرہ۔ انہیں کتاب شاب، کلاس شلاس لکھنا غلط ہے۔

ساتویں اردو میں دوزبر یعنی 'تنوین' والے لفظوں کو درست لکھنا چاہیے، اس میں دوزبر مل کر 'ن' کی آواز دیتے ہیں جیسے تقریباً، اندازاً، عادتاً، اصلاً، نسلاً، ظاہراً، مزاجاً وغیرہ۔

آٹھویں۔کسی بھی لفظ کے املے میں 'ن' اور 'ب' جہاں ملتے ہیں وہاں 'م' کی آواز آتی ہے، اس کا بالخصوص خیال رکھنا چاہے 'ن' اور 'ب' ہی لکھا جائے 'م' نہ لکھا جائے، جیسے انبار، منبر، انبوہ، انبالہ، استنبول، انبیا، سنبھل، سنبھال، اچنبھا، عنبرین، سنبل وغیرہ

نویں۔اردو کے ان الفاظ کی درستی ملحوظ رکھنا چاہیے جو الف کی آواز دیتے ہیں، لیکن کسی کے آخر میں 'ہ' ہے اور کسی کے آخر میں الف۔ انہیں لکھتے ہوئے غلطی کی جائے، تو اس کے معانی میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے گلہ اور گلا، پیسہ اور پیسا، زن اور ظن، دانہ اور دانا وغیرہ وغیرہ۔

دسویں۔الف کی آواز پر ختم ہونے والے الفاظ چاہے وہ گول 'ہ' پر ختم ہوں یا 'الف' پر، انہیں جملے میں استعمال کرتے ہوئے بعض اوقات جملے کی ضرورت کے تحت 'جمع' کے طور پر لکھا جاتا ہے، حالاں کہ وہ واحد ہی ہوتے ہیں۔ایسے میں جملے کا پچھلا حصہ یا اس سے پہلے والا جملہ یہ بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ دراصل 'ایک' ہی چیز کا ذکر ہے۔ جیسے میرے پاس ایک 'بکرا' تھا، اس 'بکرے' کا رنگ کالا تھا۔میرے پاس ایک 'چوزا' تھا، 'چوزے' کے پر بہت خوب صورت تھے۔ہمارا 'نظریہ' امن ہے اور اس 'نظریے' کے تحت ہم محبتوں کو پھیلانا چاہتے ہیں۔جلسے میں ایک پر جوش 'نعرہ' لگایا گیا اور اس 'نعرے' کے بعد لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔'کوا' چونچ میں روٹی کا ٹکڑا پکڑا ہوا تھا، جوں ہی 'کوّے' سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹا، توں ہی وہ کائیں کائیں کرنے لگا۔ایک 'کوا' پیاسا تھا، اس 'کوے' نے پانی کی تلاش میں اڑنا شروع کیا۔

گیارھویں۔انگریزی الفاظ لکھتے ہوئے خیال رکھنا چاہیے کہ جو الفاظ یا اصطلاحات (ٹرمز) رائج ہو چکی ہیں، یا جن کا کوئی ترجمہ نہیں ہے یا ترجمہ ہے تو وہ عام طور پر استعمال نہیں ہوتا، اس لئے انہیں ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ انگریزی میں ہی لکھ دیا جائے۔دوسری بات یہ ہے کہ جن انگریزی الفاظ کو اردو میں لکھا جائے گا، ان کی جمع اردو کی طرز پر بنائی جائے گی، نہ کہ انگریزی کی طرز پر، جیسے اسکول کی اسکولوں، کلاس کی کلاسوں، یونیورسٹی کی یونیورسٹیوں، اسٹاپ کی اسٹاپوں وغیرہ۔تیسری بات یہ ہے کہ انگریزی کے بہت سے ایسے الفاظ جو 'ایس' سے شروع ہوتے ہیں، لیکن ان کے شروع میں 'الف' کی آواز ہوتی ہے، انہیں اردو میں لازمی طور پر الف کے ساتھ لکھا جائے گا۔ جیسے اسکول، اسٹاپ، اسٹاف، اسٹیشن، اسمال، اسٹائل، اسٹوری، اسٹار وغیرہ۔لیکن ایسے الفاظ جو شروع تو 'ایس' سے ہوتے ہیں لیکن ان کے شروع میں الف کی آواز نہیں ہے انہیں الف سے نہیں لکھا جائے گا، جیسے سچویشن، سورس، سینڈ یکیٹ، سیمسٹر، سائن اوپسس وغیرہ۔بارہویں۔ہندوستانی فلموں نے اردو پر جو بھدا اثر ڈالا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں لفظ 'اپنا' کی جگہ میرا بولا جاتا ہے۔ہمیں اردو لکھتے ہوئے اسے ٹھیک کرنا چاہیے، اس لیے 'میں میرے نہیں' بلکہ 'میں اپنے لکھا جائے' جیسا کہ میں میرے گھر میں میرے بھائی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بالکل غلط ہوگا، درست جملہ یوں ہوگا کہ میں اپنے گھر میں اپنے بھائی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

***

وہ اشعار جو علامہ اقبال کے نہیں ہیں

ڈاکٹر محمد الیاس عاجز

مگر انکے نام سے منسوب ہیں۔ہم سب چونکہ گلوبل ورلڈ سے وابستہ لوگ ہیں اور انٹرنیٹ کی دُنیا میں اور بالخصوص فیس بُک پر علامہ اقبالؒ کے نام سے بہت سے ایسے اشعار گردِش کرتے ہیں جن کا اقبال کے اندازِ فکر اور اندازِ سُخن سے دُور دُور کا تعلق نہیں کلامِ اقبال اور پیامِ اقبال سے محبت کا تقاضا ہے، اور اقبال کا حق ہے کہ ہم ایسے اشعار کو ہرگز اقبال سے منسوب نہ کریں جو اقبال نے نہیں کہے۔ذیل میں باقاعدہ گروہ بندی کر کے ایسے اشعار کی مختلف اقسام اور مثالیں پیشِ کی جارہی ہیں۔

1۔گروہِ اول: پہلی قسم ایسے اشعار کی ہے جو ہیں تو معیاری اور کسی اچھے شاعر کے، مگر اُنہیں غلطی سے اقبال سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ایسے اشعار میں عموماً عقاب،قوم،اور خودی جیسے الفاظ کے استعمال سے قاری کو یہی لگتا ہے کہ شعر اقبال کا ہی ہے۔مثال کے طور پہ

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اڑانے کیلئے

سید صادق حسین

اسلام کے دامن میں اور اِس کے سِوا کیا ہے
اک ضرب یدّ اللہ اک سجدہِ شبیری

وقار انبالوی

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ظفر علی خان

2۔گروہِ دوئم۔پھر ایسے اشعار ہیں جو ہیں تو وزن میں مگر الفاظ کے چناؤ کے لحاظ سے کوئی خاص معیار نہیں رکھتے یا کم از کم اقبال کے معیار/ اسلوب کے قریب نہیں ہیں۔مثالیں

عشق قاتل سے بھی مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا؟
سجدہ خالق کو بھی ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا؟

سرفراز بزمی

تِری رحمتوں پہ ہے منحصر میرے ہر عمل کی قبولیت
نہ مجھے سلیقۂ التجا، نہ مجھے شعورِ نماز ہے

نامعلوم

سجدوں کے عوض فردوس ملِے، یہ بات مجھے منظور نہیں
بے لوث عبادت کرتا ہوں، بندہ ہُوں ترا، مزدور نہیں

نامعلوم

3۔گروہِ سوئم۔بعض اوقات لوگ اپنی بات کو معتبر بنانے کیلئے واضح طور پر من گھڑت اشعار اقبال سے منسوب کر دیتے ہیں۔مثلاً یہ اشعار غالباً شدت پسندوں کی جانب سے شدت پسندوں کے خلاف اقبال کے پیغام کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔مثلاً ایسے اشعار

اللہ سے کرے دور، تو تعلیم بھی فتنہ
املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لیے اُٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ

نامعلوم

4۔گروہِ چہارم: اِسی طرح اقبال کو اپنا حمایتی بنانے کی کوشش مختلف مذہبی و مسلکی جہتوں سے بھی کی جاتی ہے۔جبکہ اِن کا اقبال سے دُور دُور تک کوئی تعلق بھی نہیں ہے بلکہ افکارِ اقبالؒ سے ظلم ہے۔مثلاً

وہ روئیں جو منکر ہیں شہادتِ حسین کے ہم زندہ وجاوید کا ماتم نہیں کرتے

نامعلوم

بیاں سِرِ شہادت کی اگر تفسیر ہو جائے مسلمانوں کا کعبہ روضۂ شبیر ہو جائے

نامعلوم

نہ عشقِ حُسین، نہ ذوقِ شہادت غافل سمجھ بیٹھا ہے ماتم کو عبادت

نامعلوم

5۔گروہِ پنجم: پانچواں گروپ اے اقبال قسم کے اشعار کا ہے جن میں عموماً انتہائی بے وزن اور بے تکی باتوں پر انتہائی ڈھٹائی سے اقبال یا اے اقبال وغیرہ لگا کر یا اِس کے بغیر ہی اقبال کے نام سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ اِس قسم کو پہچاننا سب سے آسان ہے کیونکہ اِس میں شامل اشعار دراصل کسی لحاظ سے بھی شعری معیار نہیں رکھتے اور زیادہ تر اشعار کہلانے کے لائق بھی نہیں ہیں۔مثالیں

کیوں منّتیں مانگتا ہے اوروں کے دربار سے اقبال
وہ کون سا کام ہے جو ہوتا نہیں تیرے پروردگار سے؟

تیرے سجدے کہیں تجھے کافر نہ کر دیں اقبال
تُو جھکتا کہیں اور ہے اور سوچتا کہیں اور ہے!

دل پاک نہیں ہے تو پاک ہو سکتا نہیں انساں
ورنہ ابلیس کو بھی آتے تھے وضو کے فرائض بہت

مسجد خدا کا گھر ہے، پینے کی جگہ نہیں
کافر کے دل میں جا، وہاں خدا نہیں

کرتے ہیں لوگ مال جمع کس لئے یہاں اقبال
سلتا ہے آدمی کا کفن جیب کے بغیر

میرے بچپن کے دِن بھی کیا خوب تھے اقبال
بے نمازی بھی تھا، بے گناہ بھی

وہ سو رہا ہے تو اُسے سونے دو اقبال
ہوسکتا ہے غلامی کی نیند میں وہ خواب آزادی کے دیکھ رہا ہو

گونگی ہو گئی آج زباں کچھ کہتے کہتے
ہچکچا گیا میں خود کو مسلماں کہتے کہتے
یہ سن کہ چپ سادھ لی اقبال اس نے
یوں لگا جیسے رُک گیا ہو مجھے حیواں کہتے کہتے

امید ہے یہ کاوش ادب سے وابستہ احباب کے لئے علامہ محمد اقبالؒ سے منسوب غلط اشعار کی روک تھام میں اپنی محنت برابر درجہ ضرور پائے گی۔

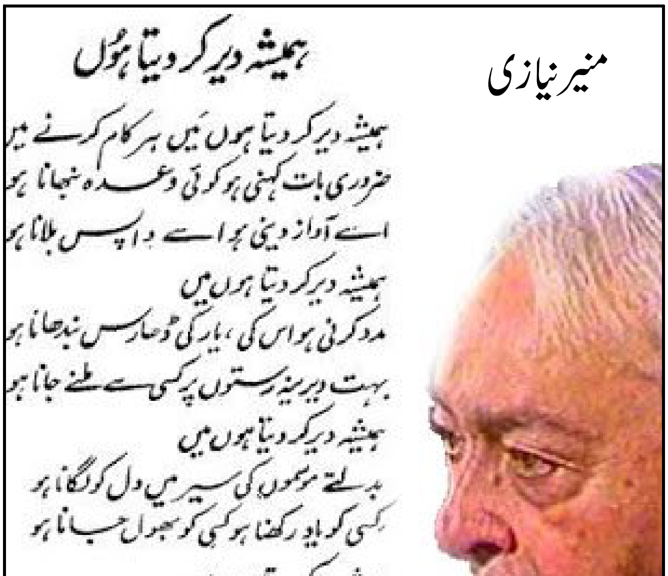

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

داڑھی ۔ سعدیہ ہما شیخ

مما میں داڑھی والے سے شادی نہیں کروں گی حورعین نے نخوت سے کہا جس نے شلوار بھی ٹخنوں سے اُونچی باندھی ہوتی ہے آخر کیا سوچ کر آپ نے مجھ سے رازی کے بارے میں بات کی بیٹا وہ حافظ قرآن ہے اور دین کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ واٹ نان سنس مما وہ دور حاضر کے تمام تقاضوں سے بے خبر تنگ نظر تنگ ذہن مجھے خوش نہیں رکھے گا بلکہ نفسیاتی مریض بنا دے گا وہ۔

داڑھی والا: بیٹا داڑھی تمام انبیاء نے رکھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ فارگاڈ سیک مما سنت ہے نہ فرض تو نہیں رازی مجھ جیسی ویل ایجوکیٹڈ اکیسویں صدی کی لڑکی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتا حیرت ہے مجھے آپ کی سوچ پر۔

تو پھر سنو! ۔ جب تم پیدا ہوئی تھی تو اسی داڑھی والے نے تمہارے کان میں اذان دی تھی تمہارے عقیقے پر بھی یہی دعا کرانے آیا تھا اور جس تعلیم پر تمہیں مان ہے اس کی بسم اللہ بھی اسی نے کرائی تھی نیا سفر شروع کرنے کے لئے نکاح بھی یہی پڑھائے گا اور دور حاضر کے تقاضوں سے بے خبر یہی داڑھی والا جب اکیسویں صدی کی لڑکی اس دنیا سے رخصت ہوگی تو جنازہ داڑھی والا ہی پڑھائے گا مسز ملک نے آج زندگی کی حقیقت بتادی حورعین کو سکتہ ہوگیا۔

عجیب وغریب: خبر ہے کنیڈا میں پاکستان کے ریٹائرڈ آرمی آفیسرز جنرلز رینک تک ۱۹۲ کی تعداد میں اپنی فیملیز کے ساتھ سکون کی زندگی گزار رہے ہیں۔ باقی یورپ اور امریکہ کی تعداد الگ ہے اور دس ہزار ڈبل قومیت والے افراد پاکستان میں ہائی پوسٹ پر تعینات ہیں۔ جن کی فیملیز اور خاندان پاکستان سے باہر مقیم ہیں۔

عجیب: مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں ”ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ عورت بہت کمزور ہے“ جبکہ دیواروں پر لکھا ہے کہ ”مرد کمزور ہے“ آخر سچ کیا ہے۔

***

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نام کھلا خط

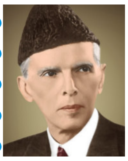

عادل بٹ کراچی ۔ حال مقیم سیسکاٹون کینیڈا

قابل احترام قائداعظمؒ

بعد آداب عرض ہے کہ میں آپکی بنائی ہوئی مملکت خداداد پاکستان سے ہجرت کردہ ایک عام شہری ہوں۔ سب سے پہلے تو معذرت چاہتا ہوں کہ پاکستان کے موجودہ آئین کا احترام کرتے ہوئے میں آپ کی خدمت میں السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کا تحفہ نہیں بھیج سکتا۔ کیونکہ پاکستانی آئین مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں پیارے قائدؒ میرے دادا جان اور دیگر اجداد نے پاکستان بنانے میں آپ کے قدم سے قدم ملا کر آپ کی پیروی میں تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور پھر پاکستان بننے کے بعد جالندھر سے ہجرت کر کے پاکستان سکونت اختیار کی۔ محترم قائد میں اپنی پیدائش کے دو سال بعد ہی غیر مسلم قرار دے دیا گیا جب میں نے ہوش سنبھالا میں سرکاری طور پہ مصدقہ کافر تھا۔ پھر میں نے اسکول جانا شروع کیا چوتھی کلاس میں دوران کھیل ایک کلاس فیلو نے مجھے دھکا دیا مجھے چوٹ آئی میں نے اپنی کلاس ٹیچر سے شکایت کی انھوں نے اس فیلو کے والدین کو انکے بچے کی شکایت کی انکا موقف تھا کہ یہ کافر کا بچہ ہے اس دن پہلی بار مجھے باور کرایا گیا کہ تم سرکاری طور پہ مصدقہ کافر ہو۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی چند ماہ بعد کلاس روم میں مذاق مذاق میں دوبارہ یاد کرایا گیا کہ میں کافر ہوں۔ پھر یہ اک معمول بن گیا میں جہاں بھی جاؤں کلاس روم، پلے گراؤنڈ، بازار، گلی، محلے، غرض ہر جگہ طعنے گالیاں تمسخر عام ہوگیا۔ بچپن تیزی سے گذر رہا تھا۔ پھر ایک روز سنا کہ صدر مملکت ضیاء الحق صاحب نے آئین میں کچھ ترامیم کی ہیں۔ میں اب ہائی اسکول میں تھا کئی واقعات ایسے ہوئے جنھوں نے میری زندگی میں تلخیاں چھوڑیں، واقعات تو بیسیوں ہیں لیکن تین لکھتا ہوں پہلا واقعہ یہ ہوا کہ میں اسکول وقفہ میں کھیل کے بعد پانی پینے کیلئے نلکے ہینڈ پمپ کی لائن میں لگا ہوا تھا میری باری آئی ایک لڑکا پمپ گیڑ رہا تھا میں پانی پینے لگا وہاں دو لڑکوں نے مجھے دھکا دے دیا کہ دور ہٹو نجس تم کافر ہو۔ نلکا پلید نہ کرو میں نے مزاحمت کی لیکن میری پٹائی لگا دی گئی میرا پڑوسی دوست جو کہ نلکا گیڑ رہا تھا میری حمایت میں آیا لیکن اسے پیچھے کر دیا گیا

میرا کچھ بس نہ چلا میں شدید ہرٹ ہوا۔ بات پھر آئی گئی ہوگئی۔ چند دنوں بعد اسلامیات کے پیریڈ میں استاد نے مجھے اگنور کیا میں نے اسکول پرنسپل سے شکایت کی وہاں کچھ اساتذہ نے میرا ساتھ دیا۔ اوران استاد کو پرنسپل نے بلا کر کہا کہ تمام بچوں کو برابر سمجھیں یہاں ہندو اور کرسچن بچے بھی ہیں۔ لیکن ان استاد صاحب نے اب باقاعدہ چند لڑکوں کو میرے عقائد بتانا شروع کر دیئے اور ایسے عقائد بتائے جن سے میں لاعلم تھا۔ مجھے آج تک نہیں معلوم کہ میرے مذہب سے منسوب خود ساختہ عقائد انہیں کہاں سے معلوم ہوئے حالانکہ میں اب تک ان سے بے خبر ہوں۔ خیر وقت گذرنے لگا۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ محلے کی دکان کے مالک جن کو سب چچا بنیا کہتے تھے وہ مجھے مسلسل پوچھنے لگے کہ تمھارے عقائد کیا ہیں؟ تم مسلمان نہیں ہو اور میں بضد رہا کہ میں مسلمان ہوں۔ میں اپنے علم کے مطابق ان سے بات چیت کرتا رہا ایک روز انھوں نے کہا تم قادیانی کیوں ہو؟ میں نے برجستہ جواب دیا کہ ہاں میں قائداعظم کو مانتا ہوں اس لئے قادیانی ہوں۔ ایک روز انھوں نے مجھے کہا کہ اچھا اگر تم مسلمان ہو تو پھر دکھاؤ کہ تمھاری ختنہ ہوئی ہے کہ نہیں میں نے بہت شرمندہ ہو کر کہا کہ میری ختنہ ہوئی ہے لیکن میں آپ کے سامنے ننگا نہیں ہوسکتا۔ وہاں دکان میں اس وقت اور لوگ بھی تھے سب نے میری تضحیک کی مجھے تمسخر اور لعن طعن کا نشانہ بنایا۔ اس کے بعد لعن طعن تمسخر ایک عام بات تھی۔

تیسرا واقعہ یہ ہوا کہ قانون بننے کے بعد کی بات ہے کہ میں حسب عادت دوسرے لوگوں کی طرح علاقے کے مولوی صاحب کو بھی سلام کرتا تھا ایک روز حسب عادت میں نے خالد بھائی کے بک ڈپو کے سامنے مولانا دلبر صاحب مرحوم کو السلام علیکم کہا تو انھوں نے اس بات کا برا منایا اور مجھے سرزنش کی کہ آئندہ انھیں سلام نہ کیا کروں۔ اس وقت میری عمر لگ بھگ پندرہ سولہ سال تھی شعور کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ محترم قائداعظم یہ چند واقعات تھے اگر میں لکھنے بیٹھوں تو ایسے لاتعداد واقعات ہیں ایک کتاب بن سکتی ہے۔ بلوغت کے دور میں میرے گھر حملہ، احمدی ہونے کی وجہ مقدمات کا سامنا، بھائی کو گولی لگنا، وغیرہ وغیرہ۔ آپ کے بنائے ہوئے پاک وطن میں ہمارے ساتھ یہ سب کچھ کئی دہائیوں سے ہو رہا ہے۔ اور ہم احمدی سراپا خاموش ہیں۔ چلیں یہاں تک تو ٹھیک لیکن اب مزید سیاست کھیلی جارہی ہے اب کہا جارہا ہے کہ ہمارے روزگار بھی چھین لو۔ خدا تعالیٰ پتھر میں کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے اور اس سے نہیں پوچھا جاتا کہ تمھارا مذہب کیا ہے؟ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ میرے پاس وسائل تھے میں جتن کر کے ہجرت کر گیا اس کی بھی الگ داستان ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کے پاس وسائل نہیں اور وہ ہجرت بھی نہیں کر سکتے۔ وہ کیا کریں؟ میں طوالت سے بچنے کے لئے خط کو اور مختصر کرتے ہوئے یہ بھی آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے پاکستان بننے کی مخالفت کی تھی آج انکی اولادیں پاکستان کی کرتا دھرتا بن بیٹھی ہیں۔ میں آپ کی اطلاع کے لئے یہ بھی تحریر کر رہا ہوں کہ جو حصہ میری پیدائش سے بھی پہلے ہم سے جدا ہو کر بنگلہ دیش بن گیا تھا وہاں کے احمدی اب بھی مسلمان ہیں اور ان سے کوئی حلف نامہ بھی نہیں بھروایا جاتا۔ میرے آپ جناب سے چند سوال ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں پہلا یہ کہ آپ نے کہا تھا کہ ریاست کا عوام کے عقیدے سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ لیکن یہاں آپ کے فرمان کی خلاف ورزی کیوں ہو رہی ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے ہمیں آزادی دلائی تھی اور ہمارے اجداد نے آپ کی بات پہ یقین کرتے ہوئے ہجرت کی اور پاکستان میں آباد ہوگئے۔ کیا ہمارا جرم حب الوطنی ہے؟ پھر ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم نے تحریک آزادی میں آپ کا ساتھ دیا تھا؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ میں نے اپنی پینتالیس سالہ زندگی میں آج تک ووٹ نہیں دیا کیا احمدیوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ ووٹ دیں؟ چوتھا سوال یہ ہے کہ پاکستان کلمہ طیبہ کے نام پہ بنا اور احمدی پاکستان میں کلمہ نہیں پڑھ سکتے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہی احمدیوں کو بتا دیا جاتا کہ چونکہ تمھیں کلمہ پڑھنے کی پابندی ہوگی اس لئے اب بھی کلمہ نہ پڑھو۔ کیا یہ ریاست کی ذاتی زندگی میں مداخلت نہیں؟ پانچواں سوال آپ کی وساطت سے حضرت رسول پاک ﷺ سے سوال ہے کہ آپ ﷺ رحمت العالمین ﷺ ہیں لیکن آپ کے نام لیوا پاکستان کی اقلیتوں کے لئے زحمت کیوں بن رہے ہیں؟ چھٹا سوال یہ ہے کہ میں اس سال کینیڈین نیشنل ہونے کے بعد سب سے پہلے حج پہ جانا چاہتا ہوں آپ اللہ میاں سے پوچھ کر بتائیں کہ بغیر حلف نامہ بھرے میرا حج ہوگا یا نہیں؟ اور آخری سادہ سا سوال ہے کہ کیا عالم برزخ میں بھی کوئی حلف نامہ بھرنا پڑے گا؟ امید ہے کہ آپ کو اپنے پرانے تحریکی ساتھیوں کے حالات کا علم ہو گیا ہوگا۔ مودبانہ درخواست ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو مجھے میرے خط کا جواب ضرور دیں۔

والسلام

ایک ادنیٰ پاکستانی شہری

اقبال غالب اور فیض ہم آپ سے شرمندہ ہیں!!

شاعری سے محبت کرنے والے پوری تحریر پڑھیں !!

اسلام علیکم دوستو!!

آج ہم بات کرنے جا رہے ہیں دور حاضر کے مرزا غالب المعروف تہذیب حافی صاحب کی شاعری پہ!!! محترم اج کل ان میں خوب مقبول ہیں جنہوں نے کبھی اقبال فیض اور غالب کو نہیں پڑھا!! ان کے اشعار اشعار نہیں خبریں ہوتی ہیں ! آج ہم ان کے کچھ مشہور اشعار کو عروض وزن اور بحر کے حوالے سے جانچے گے؟؟ تو سب سے پہلا ان کا مشہور شعر؟؟ ایک اور شخص چھوڑ کر چلا گیا تو کیا ھوا۔

ھمارے ساتھ کونسا پہلی مرتبہ ھوا آج میں اور وہ دشمنوں کی صف میں ہیں بڑا برا لگوں گا اس پر تیر کھنچا ھوا اب جن احباب کو ایسی شاعری پسند ہے وہ پہلے داد دے لیں باقی بات بعد میں!! ایک اور شخص چھوڑ کر چلا گیا تو کیا ہوا؟ واہ بھائی کیا کمال مصرعہ ہے؟؟ یعنی کہ بس کمال ہی کمال ہے! اس مصرعہ نے میری زندگی بدل دی کہ ایسا مصرعہ کیسے لکھ لیا محترم نے؟ دل ہی دل میں داد دیتے ہوئے اس مصرعہ کی تقطیع کی! تو یہ مصرعہ بڑا بدتمیز نکلا! میں نے ہزار کوشش کی کہ کسی نہ کسی بحر میں چڑھ جائے مگر ایسا ڈھیٹ بے وزن مصرعہ کہ مانا ہی نہیں!! اور کسی بحر میں میں پورا نا اترا!! میں نے کہا اسود میاں اسے چھوڑو جو اگلا مصرعہ ہے وہ تو یقیناً ایک شاہکار ہوگا بحر اور وزن کے حوالے سے؟ تو کیا ہے جی دوسرا مصرعہ؟؟ ہمارے ساتھ کونسا پہلی مرتبہ ہوا؟ واہ کیا خوب ہمارے دل کی حالت بیان کی ہے! ہم نے پچھلے مصرعہ پہ جو دل میں بدگمانی پالی اس پہ بہت شرمندہ ہوئے! اور دل ہی دل میں حافی صاحب سے معافی کا خواستگار ہوتے ہوئے ہم نے اس مصرعہ کی جانچ کی مگر پہلے مصرعے کی طرح یہ بھی ڈھیٹ اس پہ کوئی اثر نہیں ہماری محبت کا چاہت کا!! یہ بھی بے وزن ہی رہا! ہم اپنی محبتوں کے اس حشر پہ تھوڑا شرمندہ ہوئے اور تیسرے مصرعہ کی طرف بڑھے کیا ہے جی تیسرا مصرعہ؟ ارے بھائی کوئی بول دو کیا تھا ہماری یادداشت تھوڑی کمزور ہے یاد نہیں رہتا ارے.... ہاں ہاں یاد آیا!! تیسرا مصرعہ تھا آج میں اور وہ دشمنوں کی صف میں ہیں؟

واہ واہ ہم نے اس مصرعہ پہ سینا پیٹ لیا یعنی کیا جنگی شعر ہے واہ واہ ہمیں امید تھی اب یہ مصرعہ ہمیں شاعری کے اصولوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دے گا اس لئے چڑھا دیا جانچ کی بھٹی پہ!! **فاعلاتن فاعلاتن فاعلن**! لو جناب دل میں خوشی کے لڈو پھوٹ پڑے! نکل آیا بحر میں! ہمارے دل کو پہلے ہی یقین تھا کہ حافی جیسے بڑے شاعر کی ساری غزل تھوڑی بے وزن ہو سکتی؟ لو جی ایک مصرعہ تو بحر میں نکل آیا! دل کو حوصلہ ہو گیا چوتھا مصرعہ اٹھایا!! اور آپریشن شروع کیا!!! کیا تھا چوتھا مصرعہ؟؟ ارے ہاں؟؟

بڑا برا لگوں گا اس پہ تیر کھنچا ہوا!! واہ یار کیا کہنے! ساری دولت وار دوں اس مصرعہ پہ! دل ہی لوٹ لیا! میں پاگل ہو رہا تھا کہ اندر سے آواز آئی میاں حوصلہ رکھیں ابھی جانچ ہو رہی تو میں تھم گیا اور پھر نتیجہ سامنے آ گیا! یہ مصرعہ بھی بحر میں تھا!! **مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن** لو جی دل عش عش کر اٹھا میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ حافی صاحب بڑے شاعر ہیں؟ ان جیسے لکھنے والے کہاں پیدا ہوتے ہیں!! مگر ایک منٹ!!! پہلے شعر کے دونوں مصرعے بے وزن! دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کسی اور بحر میں اور دوسرا مصرعہ کسی اور بحر میں!! بس دل ہی ٹوٹ گیا میں نے آگے اس غزل کی تقطیع نہیں کی دو اشعار نے دل توڑ دیا! میں حافی صاحب کو مرزا غالب کا ہم پلہ بنا رہا تھا کہ غالب کی دس شعروں کی غزل کی بحر چیک کر لیں تو غزل کے سارے اشعار ایک ہی بحر میں ہوں گے!

مگر حافی صاحب نے چار مصرعوں میں ایک بھی بحر ایک جیسی استعمال نہیں کی تو دل ٹوٹ گیا!! آنکھوں سے آنسو جاری ہو گے کہ حافی صاحب نے کیا کیا ہمارے ساتھ اتنا مشہور شعر بے وزن نکلا!! ایک اور شخص چھوڑ کر چلا گیا تو کیا ہوا ھمارے ساتھ کونسا پہلی مرتبہ ھوا۔ آج میں اور وہ دشمنوں کی صف میں ہیں بڑا برا لگوں گا اس پر تیر کھنچا ہوا تہذیب حافی اس شعر کی جانچ کے بعد دل ٹوٹ گیا! مگر پھر دل سے آواز آئی کہ شاید یہ ایک ہی بے وزن غزل ہو باقی شاعری دیکھوں شاید کوئی غالب کے ہم پلہ کلام مل جائے! تو جناب ہم نے انکا ایک اور مشہور شعر نکالا!! ساری عمر اسی خواہش میں گزری ہے دستک ہو گی اور دروازہ کھولوں گا۔ واہ واہ کیا عمدہ شعر ہے دل خوش ہو گیا ہم جھومنے والے تھے کہ پچھلے شعر کا حشر یاد آ گیا! اس لئے دل کو تسلی دے کر اس شعر کی جانچ کی!! پہلا مصرعہ ساری عمر اسی خواہش میں گزری ہے دستک ہو گی اور دروازہ کھولوں گا لو جی ہو گی تقطیع!! پہلا مصرعہ ہے! **فعلن فُعل فعولن فعلن فعلن فع**!! دوسرا مصرعہ تھا **مفعول مفاعیلن مفعولن فع**!! لو جی ہو گیا بیڑہ غرق!! ایک شعر دو بحروں میں! اب تو خون کے آنسو نکلے ہماری آنکھوں سے کہ میں کتنی محنت سے حافی صاحب کو بڑا شاعر ثابت کر رہا ہوں اور وہ مجھے ذلیل کروا رہے!! مگر خیر حاف ء صاحب سے محبت ہے اس لئے انکا ایک اور مشہور شعر چنا کہ اب تو ثابت کر ہی دوں گا کہ حافی ایک بڑا شاعر ہے! اگلا شعر تھا۔

تیرا چپ رہنا مرے زہن میں کیا بیٹھ گیا   اتنی آوازیں تجھے دی کہ گلہ بیٹھ گیا!

اس بار کوئی داد نہیں ہر دفعہ بے عزت کرواتے ہیں اس لئے اس دفعہ پہلے وزن چیک کریں گے اور بعد میں داد دیں گے! تو پہلا مصرعہ کی جانچ کی ہمیشہ کی طرح نتیجہ صفر!! کوئی بحر ہی نہیں بلکل بے وزن!! دوسرا مصرعہ کی تقطیع کی!؟

اتنی آوازیں تجھے دی کہ گلہ بیٹھ گیا!! **فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فعلن**!.. ہو گیا کباڑا! پھر غزل کے پہلے شعر میں رائتہ پھیلا دیا! پہلا مصرعہ بے وزن اور دوسرا کسی اور بحر میں! جس کے شروعات ایسی ہیں اس کا اختتام کیسا ہو گا اس لئے ہم نے اس غزل پہ بھی لعنت بیجھی! اور اگلے شعر کی طرف بڑھے!! لڑکیاں عشق میں کتنی پاگل ہوتی ہیں فون بجھا اور چولہا جلتا چھوڑ دیا... واہ کیا شعر کہا ہے؟ اسکی تقطیع کی تو پہلا مصرعہ **فعل فعول فعلن فعلن فعلن فع** اس بحر میں دوسرا مصرعہ فعل فعولن فعلن فعلن فعل فعل... لو جی اس شعر میں بھی بحر الگ الگ!!

تو میرے احباب! طنز و مزاح میں لکھی اس تحریر میں تہذیب حافی کے چند مشہور اشعار کی جانچ کی! اور نتیجہ آپ سب نے دیکھ لیا! میری تحریر پڑھ کر آپ شاید مسکرا رہے ہو گے! مگر قسم سے میرا دل رو رہا ہے کہ اج اُردو شاعری پہ یہ مقام آ گیا کہ اس کے مشہور شعرا کے اشعار وزن اور بحر سے آزاد ہیں تاریخ لکھی جائے گی تو اکیسویں صدی کی اردو شاعری میں مورخ یہ لکھے گا! فون بجا اور چولہا جلتا چھوڑ دیا! ہماری دھرتی اتنی بانجھ ہو گی ہے! کہ ایک اچھا شاعر نہیں پیدا کر پاتی! غالب اقبال کے مقابلے کا نہ ہو کم از کم فیض کے مقام تک تو پہنچے! اور میں اپکو بتاؤں کہ ہماری شاعری میں یہ حالت کیوں ہوئی کہ ہمیں حافی جیسے شاعر کو پاکستان کا بڑا شاعر سمجھنا پڑا!! اس لئے کہ ہم نے اقبال غالب اور فیض کو پڑھنا چھوڑ دیا ہے!! ہمیں پتا ہی نہیں شاعری کیا ہے؟ تو جب پتا ہی نہیں تو ہم حافی جیسے شاعروں کو پروموٹ کریں گے؟ اُردو شاعری کے ساتھ ظلم ہو رہا! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ شاعری کے نام پہ چند بے ربط جملوں کو جوڑ کر اردو شاعری کہنے کی کوشش کرنا! سراسر ظلم ہے! اور آپ سب اس میں برابر کے شریک ہیں! آپ نے چپ رہ کر ایسی گھٹیا شاعری کو سن کر ظلم میں برابر حصہ داری ڈالی! آیئے عہد کریں ہم اردو شاعری کا اچھا دور لائیں گے! مشکل نہیں ہے!! جب ہم اچھی شاعری کو پروموٹ کریں گے تو لکھنے والے جان مار کر اچھا لکھیں گے!! اس لئے خدارا اس مہم میں ہمارا ساتھ دیں! اردو شاعری کو ان ظالموں کے چنگل سے آزاد کروائیں کہ یاد رکھیئے گا اردو شاعری اپنے اخری دموں پہ آخری سانسیں لے رہی ہے اب نہیں بچایا تو کبھی بچا نہیں پائیں گے!! اب میں نے غالب کی غزل پڑھنی شروع کی ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے غزل کے سارے اشعار ایک ہی بحر میں ہیں **مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن** اسود کی ڈائری سے نوٹ۔

***

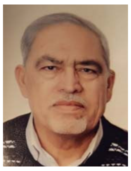

مراکش کی مختصراً تاریخ

سید حسن خان۔لندن

مراکش کا نام ریڈ ٹاؤن بھی ہے۔ جسکی وجہ کا سبا یا ریڈ دیوار ہے جو پرانے اور نئے مراکش کو علحدہ کرتی ہے۔ 1062ء میں یوسف بن تاشوفین نے پرانے مدینہ کے اردگرد نیا مدینہ یا شہر آباد کیا جبکہ پرانہ مدینہ یا شہر کے اردگرد یوار بنا کر نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ جبکہ اس کے زمانہ میں نئے مکانات اور مساجد تعمیر کی گئیں۔ اس کے زمانہ میں مراکش Moracco (ماروکہ) کا دارلحکومت تھا جبکہ المورادِگ کے زمانہ میں ملک اسلامک سٹیٹ بنا 1147ء عبدالمومن کے زمانہ مزید ملک کو اسلامک بنایا گیا اور اسی کے زمانہ میں قبطیہ مسجد بنائی گئی۔ نیز منارہ گارڈن بھی اسی کے زمانہ میں تعمیر کیا گیا۔

1200ء نئے حکمران میرین ڈس کے زمانہ میں ملک کی ترقی رُک گئی اور ملک میں بیشمار تباہیاں بھی آئیں۔ 1522ء میں Saadians نے Moracco نے اس ملک پر قبضہ کر لیا تو ملک پھر ترقی کی طرف چلا گیا۔ مگر محمدؐ المہدی کے زمانہ میں بھی مراکش ملک پہلے سے بڑھ کر ترقی پذیر ہو گیا۔ اسی کے زمانہ میں البیدی محل تعمیر کیا گیا۔ اس کے زمانہ کے تعمیر کردہ کئی عمارات تعمیر دوبارہ کی گئیں۔ اسی طرح 1600ء سے 1669ء تک مراکش نے خوب ترقی کی جبکہ اس وقت الاوُٹی سلطان حکمران تھا۔ مگر 1700ء 1917ء تک محمدؑ تھرڈ کے زمانہ میں ملک میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ جبکہ اس وقت فرانس نے 1917ء میں اس ملک پر قبضہ کیا۔ جبکہ اس وقت پاشا الگلو والی نامی نے فرانس کے زیر اثر مراکش پر 44 سال حکومت کی۔ 1956ء محمدؑ پنجم کے زمانہ میں اس ملک نے فرانس سے آزادی حاصل کی اسی کے زمانہ میں مراکش کی جگہ رباط کو مراکو کا داراحکومت بنایا گیا۔ مراکو (Moracco) ملک میں چونکہ فرانس نے تقریباً چالیس سال اپنی کالونی بنائے رکھا اس لئے اس ملک میں فرینچ زبان بولی جاتی ہے۔

***

سال 2020 یعنی آج سال 2120 یعنی کل

غزالہ انجم

اب سے صرف سو سال بعد اس تحریر کو پڑھنے والا ہر شخص زیر زمین مدفون ہوگا۔الا ما شاء اللہ ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوکر رزق خاک ہوچکی ہوں گی۔تب تک ہماری جنت یا جہنم کا فیصلہ بھی معلوم ہوچکا ہوگا جبکہ اس دوران سطح زمین کے اوپر ہمارے چھوڑے ہوئے گھر کسی اور کے ہو چکے ہوں گے۔ہمارے کپڑے کوئی اور پہن رہا ہوگا اور ہماری محنت اور محبت سے حاصل شدہ گاڑیاں کوئی اور چلا رہا ہوگا۔اس وقت ہم کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوں گے۔بھلا آپ اپنے پڑ دادا یا پڑ دادی کے بارے میں کبھی سوچتے ہیں کیا....؟تو کوئی ہمارے بارے میں کیوں سوچنے لگا؟؟

آج زمین کے اوپر ہمارا وجود جس کی بنیاد پر یہاں ہمارا ہر وقت کا شور و شغب ہٹو بچو کی صدائیں اور ان گھروں کو آباد کرنے کے لیے ہماری محنت ومشقت یہ سب کچھ ہم سے پہلے کسی اور کا تھا اور ہمارے بعد یقینی طور پر کسی اور کا ہونے والا ہے۔کوئی ایسا ہونے سے روک سکتا ہے تو روک لے۔اس دنیا سے گزرنے والی ہر نسل بمشکل اس پر ایک طائرانہ سی محض الوداعی نظر ہی ڈال پاتی ہے۔خواہشات کی تکمیل کا موقع بھلا کسی کو اس دار الفناء میں کہاں مل سکتا ہے؟ ہماری زندگی درحقیقت ہمارے تصورات وخواہشات کے مقابلے میں بہت ہی مختصر ہے۔سال 2120 میں ہم سب پر اپنی اپنی قبر میں اس دنیا اور اپنی خواہشات کی حقیقت آشکار ہوچکی ہوگی۔ہائے افسوس!!!اس دھوکے کے گھر میں کیسی احمقانہ خواہشات اور کیسے جاہلانہ منصوبے ہم نے بنا رکھے تھے؟؟ تب ہم پر یہ حقیقت بھی عیاں ہوجائے گی کہ اے کاش!ہم نے اپنی ترجیحات میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کی وفاداری کو سب سے مقدم وراجح رکھا ہوتا تو آج سب کچھ دنیا میں چھوڑ کر آنے کے بجائے قبر کا زاد راہ اور اعمال صالحہ کی شکل میں صدقہ جاریہ بھی ساتھ لا سکتے۔تب ہمیں یہ بھی معلوم ہوچکا ہوگا کہ دنیا اس لائق ہرگز نہ تھی کہ اس کے لیے اتنا سب کچھ جان مال وقت اور تمام صلاحیتیں داؤ پہ لگادی جاتیں۔آج 2020 میں یہ مضمون پڑھنے والے بہت سے لوگ 2120 میں یہ تمنا کر رہے ہوں گے۔ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۔اے میرے پروردگار!مجھے واپس دنیا میں بھیج دے تاکہ میں جو کچھ وہاں چھوڑ آیا ہوں اس میں واپس جا کر نیک اعمال کرسکوں لیکن اس درخواست کا جواب بہت سخت ملے گا كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ

(المؤمنون:99-100)

ہرگز نہیں!یہ صرف ایک بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے(قابل عمل سنجیدہ بات نہیں ہے)اب تو قیامت تک ان کے پیچھے باڑ لگادی گئی ہے۔2120 میں قبر میں وہ یہ تمنا بھی کرے گا يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۔ (الفجر:24)

ہائے میری ہلاکت وبربادی!میں اپنی زندگی کے لئے کچھ آگے بھیج دیتا۔موت کا فرشتہ میرے اور آپ کے نیک ہونے کے انتظار میں نہیں ہے۔آئیے!موت کے فرشتہ کے انتظار کے بجائے موت کی تیاری کریں اور اعمال صالحہ والی زندگی اختیار کرلیں۔اس پیغام کو دوسروں تک پہنچائیے تاکہ اللہ کسی کی زندگی کو آپ کے ذریعے بدل دے...کہ اسمِ احمد مرسل ﷺ خزینِ دولت ہ وجود میرا زمانے میں کس نے مانا تھا ثنائے شاہِ دو عالم ﷺ سے میری عزت ہیں ان کوئی کرے کس زباں سے شانِ نبی ﷺ کہ خود کتاب میں اللہ محوِ مدحت ہیں ان میں دیر سے آئے مگر ازل سے ہیں بڑوں میں سب سے بڑی مصطفی ﷺ کی قامت ہے یہ عرش وفرش یہ سورج یہ چاند یہ انجم نبی ﷺ کے نام سے قائم جہاں کی زینت ہے۔

***

گلزار کی ایک نظم
جو آج کے ماحول کی عکاسی کرتی ہے

بے وجہ گھر سے نکلنے کی ضرورت کیا ہے
موت سے آنکھیں ملانے کی ضرورت کیا ہے
سب کو معلوم ہے باہر کی ہوا قاتل ہے
یُونہی قاتِل سے اُلجھنے کی ضرورت کیا ہے
ایک نعمت ہے زندگی اُسے سنبھال کے رکھ
قبرستاں کو سجانے کی ضرورت کیا ہے
دِل کے بہلانے کو گھر میں ہی وجہ کافی ہے
یُونہی گلیوں میں بھٹکنے کی ضرورت کیا ہے

تبصرہ کتب

مبصر : عقیل شافی (لاہور)
نام کتاب : عطا فیر نعت ہوئی اے
شاعر: ہمایوں پرویز شاید
صفحات:128 ہدیہ:-/500
ناشر: گلشنِ ادب پبلی کیشنز، لاہور

نعت گوئی تلوار کی تیز دھار پر چلنے کا نام ہے اس میں صرف محبت ہی نہیں خاصی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔سرکارِ دوعالمؐ کے حضور نعتیہ اشعار کی صورت میں اپنی التجاء،گزارش پیش کرنا ہی نعت نہیں،نعت میں سرکارِ مدینہؐ کے اسوۂ حسنہ،اخلاق،سراپا مبارک،معجزات،قرآن کی آیاتِ مبارکہ کے حوالہ جات اصل نعت گوئی ہے ان سب چیزوں کے ساتھ جو نمایاں ہے وہ ہے با اَدب الفاظ کا چناؤ جس سے شاعر کی محبت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ شافعِ روزِ محشرؐ سے کتنی سچی،سُچی محبت،عزت کرتا ہے۔ہمایوں پرویز سینئر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ سلجھے ہوئے نعت گو بھی ہیں۔''دیوے بال دروداں دے''،''نعت عبادت میری اے''، کے بعد اب''عطا فیر نعت ہوئی اے''شائع کروا کے بارگاہ آخرالزماں حضرت محمدؐ کے حضور عاجزی،انکساری سے نعتیہ گلدستہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔اس مجموعہ میں حمد باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ نعتیہ کلام شامل ہے جو اپنی خوشبو بکھیرتا چلا جاتا ہے۔قارئین یقیناً اس کی خوشبو سے خود کو مسحور کرسکیں گے۔

****

نام کتاب : تماہی پنجابی
ڈاکٹر رشید انور (مرحوم) خصوصی نمبر
صفحات 184: قیمت:-/500
مرتب : پروفیسر محمد جنید اکرم
ناشر : بزمِ فقیر پاکستان

بزمِ فقیر ادب ایک ایسا ادارہ ہے جو وقتاً فوقتاً محمد جنید اکرم کی ادارت میں اَدب کے چمکتے ستاروں کو بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ کے شروع کردہ رسالے''پنجابی''میں شائع کر کے خراجِ تحسین پیش کرتے رہتے ہیں۔موجودہ حالات میں کرونا وائرس کی وبا سے پوری دنیا پریشان ہے مگر ان حالات میں بھی محمد جنید اکرم اپنے قلمی مشن کو جاری رکھے اور مرحوم ڈاکٹر رشید انور کی زندگی اورفن کے حوالے سے خصوصی نمبر شائع کر کے حق دوستی ادا کیا ہے۔ڈاکٹر رشید انور ملکِ پاکستان کے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں اپنے کام اور کلام کی وجہ سے اچھی شہرت یافتہ شخصیت کے حامل ہیں۔1965ء کی جنگ میں فوجیوں کا خون گرمانے والے ترانوں کے خالق جنھیں ملکہ ترنم نور جہاں کی دبنگ آواز نے اگلے مورچوں پر لڑتے افواجِ پاکستان کے جوانوں کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کیا۔184 صفحات پر مشتمل اس خوبصورت خصوصی نمبر میں نیشنل اورانٹرنیشنل جانے پہچانے شاعروں،ادیبوں،نقادوں اور تحقیق کاروں نے ڈاکٹر رشید انور کے حوالے سے نثری اور منظوم بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا۔پنجابی کے اس با اَدب رسالے کو اَدب میں با اَدب لوگوں تک پہنچانے کا سہرا پروفیسر محمد جنید اکرم اور ان کی ساری ٹیم کو جاتا ہے جو ہر وقت اَدب کی خدمت کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

****

نام کتاب : آرزوؤں کے دریچے
شاعرہ : نجمہ شاہین
صفحات : 128
قیمت: 500/ ناشر: مکتبہ فجر، لاہور

شاعری عوام الناس تک اپنے دل کی بات پہنچانے کا خوبصورت ذریعہ ہے جس میں ماضی اور حال کے بے شمار شعراء کرام خاصی شہرت کے حامل ہوئے ہیں۔ہر دور میں قلم کی حرمت کو سمجھتے ہوئے الفاظ کا سہارا لے کر اَدب میں جدّت پیدا کرنے والے آنے والی نسلوں کے لیے آسانیاں پیدا کرتے سنگِ میل ثابت ہوتے ہیں۔شاعرات بھی کسی سے کم نہیں،جس کو علم کے ساتھ جتنا شعور عطا ہوتا ہے وہ اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔نجمہ شاہین بھی آج کے عہد میں''آرزوؤں کے دریچے''کھولے آنے والوں کے تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح اپنی شاعری کی خوشبو سے ادب کی فضا کو معطر کرنے کا کامیاب جتن کر چکی ہیں۔حمد،نعت،غزل،نظم،سلام،قطعات اور گیتوں کے اس دلفریب مجموعہ کو پڑھ کر قاری بوریت نامی چیز سے کوسوں دور رہتا وادیِ سکون میں زندگی کے خوبصورت لمحات سے لطف اندوز ہوتا،تازگی محسوس کرتا ایک نئی دنیا میں کھو جاتا ہے۔صاحب کتاب کی ہر تخلیق کو اپنی بات سمجھتا دعا گو ہوتا ہے کہ بھلا ہو نجمہ شاہین کا جس نے میرے دل کی بات اپنے اشعار میں سمو کر میرے دل کا بھار ہلکا کر دیا ہے۔یہی کامیاب شاعرہ کی نشانی ہے۔اس مجموعہ سے قبل نجمہ شاہین''صدائے آبشار''سے بھی ادبی دنیا میں اپنا دامن داد سے بھر چکی ہیں۔

نام کتاب : نورُالقلم (خطاطی)

تخلیق کار : محمد نعیم یادؔ

ہدیہ : -/5000 صفحات: 150

ناشر : مکتبہ شافی، لاہور

یوں تو پوری دنیا میں بے شمار ادبی تخلیقی کام ہو رہے ہیں اچھے کام کی وجہ سے شاعر، ادیب، نقاد، محقق اپنے اپنے شعبہ جات میں پہچانے جاتے ہیں مگر ان کے علاوہ اللہ کریم نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمدؐ کے صدقے خاص بندوں پر رحمت کے دروازت بھی کھولے ہوتے ہیں جو دنیا میں رہ کر اپنی آخرت کے لیے رستے ہموار کرتے اپنی منزل کی طرف گامزن ہیں۔ انھیں خاص بندوں میں جوہر آباد کے نوجوان کہانی کار، افسانہ نگار و مضمون نگار محمد نعیم یادؔ کا نام معتبر ادبی شخصیات میں نمایاں ہیں۔ نعیم یاد اب تک ادب کو افسانوں اور افسانچوں پہ مشتمل سات کتب دان کرکے اپنے فن کا لوہا منوا چکے ہیں۔ حال ہی میں ان کی نئی کتاب ''نورالقلم'' شائع ہوئی۔ ماشاء اللہ دنیاوی نشیب و فراز سے نکل کر نعیم یاد نے اپنے قلم کے ذریعے خطاطی میں خوبصورت کتاب کر کے اپنا ایک الگ مقام پیدا کرلیا ہے۔ زیر تصنیف ان کی خوش نویسی و خطاطی پہ مبنی خوبصورت کتاب ہے جو ان کے خطاطی کے نادر نمونہ جات پر مشتمل ہے۔ ان کی خطاطی منفرد، بے مثال اور نمایاں اوصاف سے سرشار ہے، ان کے خط میں بے پناہ دلکشی اور جاذبیت جھلکتی ہے، اصول و ضوابط کی رعایت بھی ہوتی ہے اور خوبصورتی بھی اس سے مترشح ہوتی ہے، خط رقعہ، دیوان جلی، ثلث، کوفی اور دیگر خطوط کے ساتھ اُردو خط پر بھی یکساں عبور رکھتے ہیں اور اپنی خطاطی کے ذریعہ حسن و جمال کا جلوہ بکھیر کر رکھ دیتے ہیں، قرآن کی جو آیتیں انہوں نے کتابت کی ہے وہ لائق دید اور قابل تعریف ہے، ذرہ برابر کسی طرح کی کوئی تفریق نظر نہیں آتی ہے۔ ***

سات تباہ کن گناہ

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''سات تباہ کن گناہوں سے بچو'' لوگوں نے پوچھا وہ کونسے گناہ ہیں؟
آپؐ نے فرمایا: 1۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا 2۔ جادو کرنا
3۔ کسی کو ناحق مار ڈالنا 4۔ سود کھانا 5۔ یتیم کا مال ہڑپ کر جانا
6۔ میدان جہاد سے بھاگ جانا 7۔ نیک عورتوں پر تہمت لگانا
(بخاری، مسلم، ابوداؤد، سنن النسائی)

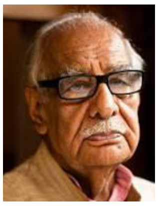

کلدیپ نائر جس کی ایک زندگی کافی نہیں تھی

نعیم یاد۔ جوہر آباد (پاکستان)

''وہ برصغیر کی تقسیم کے بعد رہے تو ہندوستان میں لیکن ان کا دل پاکستان میں دھڑکتا تھا، وہ جسمانی طور پر تو ہندوستان میں تھے لیکن روحانی طور پر وہ اسی مٹی کا حصہ تھے، وہ یہاں سے جا کر بھی یہی پر رہے، پاکستان سے ان کا تعلق ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مجھے بھی اپنے آباؤ اجداد کی زمین پر آ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ وہ دو قوموں کا درد سمجھتے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں بہتری آئے۔''

یہ الفاظ تھے ''مندرا نائر'' کے جو اپنے دادا کلدیپ نائر کی استھیاں انکی وصیت کے مطابق دریائے راوی میں بہا نے آئی تھیں۔ کلدیپ نائر کی استھیاں دریائے راوی میں شامل ہوگئیں اور یوں ایک اور بیٹا اپنے وطن کی مٹی میں شامل ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ ایک فن کار دوسرے لوگوں کی نسبت وطن سے زیادہ محبت رکھتا ہے اس لیے کہ وہ اپنے فن سے اپنے وطن کو ایک نئی شناخت دیتا ہے۔ کلدیپ نائر ایک ایسے ہی فنکار صحافی تھے جنھوں نے اپنے کام کی بدولت دنیا بھر میں اپنی ایک منفرد پہچان بنائی۔ ان کو برصغیر کے تین بہترین صحافیوں اور کالم نگاروں میں شامل کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد وہ بھارت چلے گئے، وہیں رہے مگر انھوں نے بھارت اور پاکستان کے درمیان بہتر تعلقات بنانے کے لیے ہمیشہ دل سے کوشش کی۔ وہ ہر سال امرتسر میں واقع اور لاہور کے درمیان واقع اٹاری اور واہگہ بارڈر پر جا کر شمعیں روشن کیا کرتے تھے۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان امن کی خواہش رکھنے والوں اور اس خواہش کے اظہار کے طور پر واہگہ بارڈر کے دونوں طرف کھڑے ہوکر شمعیں روشن کرنے والوں کو ہمارے کچھ بھائی موم بتی مافیا کہتے ہیں۔ اگر مافیا ہوگی تو ڈان بھی ہوگا اور اس بھولی بھالی مافیا کا اصلی ڈان کلدیپ نائر تھا۔

کلدیپ نائر 14 اگست 1924ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم آپ نے سیالکوٹ سے ہی حاصل کی جبکہ قانون کی ڈگری فورمن کرسچین کالج لاہور (پاکستان) سے حاصل کی۔ امریکہ سے صحافت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ نے فلاسفی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔ پیشے کے طور پر آپ نے وکالت کا انتخاب کیا لیکن اس سے قبل کے وہ سیالکوٹ اپنے

آبائی قصبے میں وکالت اختیار کرتے ہندوستان کا بٹوارہ ہوگیا۔اور دہلی میں انھیں ایک روزنامہ اخبا''انجام''میں ملازمت مل گئی۔وہ اکثر کہتے تھے کہ صحافت میں میرے سفر کا آغاز''انجام''سے ہوا۔

صحافت کے شعبہ میں آپ کی محنت رنگ لائی۔آپ انگریزی اخبار''دی اسٹیٹ''کے نمائندے بھی رہے اس کے علاوہ 25 سال تک''پتر یکا ٹائم''کے بیورو چیف بھی رہے۔پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ میں بطور آفسر آپ نے اپنی بیش قیمت خدمات بحسن وخوبی انجام دیں۔اس کے بعد آپ یو۔این۔آئی، پی۔آئی۔بی، دی سٹیٹس مین اور انڈین ایکسپریس سے لمبے عرصے تک وابستہ رہے۔اس کے علاوہ آپ پچیس سال تک ٹائمز لندن کے نامہ نگار کی حیثیت سے بھی اپنی نمایاں خدمات انجام دیں۔آپ کو ہندوستان میں ایمرجنسی کے وقت گرفتار بھی کیا گیا۔آپ بہت دور اندیش وسلجھے سیاستدان تھے۔یہی وجہ ہے کہ 1990 میں آپ نے برطانیہ میں بھارتی ہائی کمشنر کی حیثیت سے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیے۔1997ء میں آپ کو بھارتی ایوانِ بالا کے رکن یعنی راجیہ سبھا کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔اس طرح کلدیپ نائر نے راجیہ سبھا کے رکن کے عہدے پر رہتے ہوئے بھی ملک کی ترقی وامن ویکجہتی کو قائم رکھنے کے لئے اپنی نمایاں خدمات انجام دیں۔اس سب کے باوجود کلدیپ نائر کی اصل پہچان ایک کالم نگار کے طور پر ہوتی ہے آپ کے کالم برصغیر کے مختلف اخبارات میں بیک وقت شائع ہوتے تھے۔کلدیپ نائر 15 کتب کے مصنف بھی تھے۔ان کی تحریروں کا زمانہ مداح تھا۔ان کی تحریریں 80 سے زائد اخبارات میں 14 مختلف زبانوں میں شائع ھوتی رہیں۔Beyond the Lines اور India after Nehru ان کی شہرہ آفاق تخلیقات ہیں۔

کلدیپ نائر نے اپنی زندگی میں بھارت اور پاکستان کے تمام نشیب وفراز قریب سے دیکھے یہی وجہ تھی کہ وہ آخری دم تک دونوں ملکوں کے درمیان امن قائم کرنا چاہتے تھے۔پاکستان کے بارے میں وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''قیامِ پاکستان کے فوراً بعد محمد علی جناح نے اپنے شہریوں کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ آپ چاہے کسی مذہب، ذات یا فرقے سے تعلق رکھتے ہوں اس کا اس بنیادی اصول سے کوئی تعلق نہیں کہ ہم سب ریاست کے مساوی شہری ہیں۔تاہم یہ ایک خالی خولی یقین دہانی تھی جسے شاید اس لیے عملی جامہ نہیں پنایا گیا تھا کہ اس سے کچھ ہی دیر بعد جناح وفات پا گئے تھے۔مذہبی عناصر نے جدید مسلم ریاست کی تشریح اپنے انداز سے کی ہے۔''ہندوستان کے بارے وہ میں لکھتے ہیں:''ہندوستان اگرچہ ایک سیکولر ریاست ہے تاہم یہ اپنی اقلیتوں کو وہ حیثیت نہیں دے سکی جو اکثریت کو حاصل ہے۔دو مرکز برادریاں، ہندو، اور مسلمان، یک طرز زندگی میں تبدیل ہو گئے ہیں۔اس کا بدقسمت پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کو علیحدہ آبادیوں میں رہنے پر مجبور کیا گیا ہے جو کہ کچی آبادیاں ہیں۔''

بھارت اور پاکستان کے درمیان تعلقات میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ وہ مسئلہ کشمیر کو سمجھتے تھے۔اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ اس خوبصورت ریاست سے زیادہ کسی بھی چیز نے انہیں ابتری میں مبتلا نہیں کیا۔کشمیری یہ کہتے ہیں کہ ان کی ریاست جنت ارضی ہے لیکن یہ جنت شروع ہی سے پاک بھارت تعلقات کے لیے جہنم ثابت ہوئی ہے۔اس تنازعے کا سب سے زیادہ ذمہ دار اس کے حکمران مہاراجہ ہری سنگھ کو قرار دینا چاہیے۔اگر اس نے 15 اگست 1947ء سے پہلے کشمیر کی تخت نشینی کا فیصلہ کرلیا ہوتا، جب شاہی نمائندے لارڈ ماونٹ بیٹن کے پاس اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار تھا تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا اور نہ ہی کشمیر کا مسئلہ ہوتا۔آزدی کے بعد پاکستان اور بھارت دونوں نے ریاست کی ملکیت کا دعویٰ کیا تھا۔

پاک بھارت تعلقات کی خرابی کی ایک بڑی وجہ آپ بیرونی طاقتوں کو بھی گردانتے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ دونوں ممالک کو ایک دوسرے سے دور رکھنے میں بیرونی طاقتوں نے بھی بڑا کردار ادا کیا ہے۔انھوں نے ہتھیاروں اور معاشی امداد کے ذریعے دشمنی کی آگ بھڑکائی ہے۔وہ انہیں''تقسیم کرکے رکھو''والی پالیسی پر عمل پیرا رہے ہیں۔

آخری دنوں تک انھیں اپنی جنم بھومی سیالکوٹ نہیں بھولا۔ان کی سیالکوٹ سے محبت کا ایک مختصر سا قصہ ہندوستانی لکھاری اور شاعر گلزار نے لکھا ہے:''کلدیپ نائر اور گلزار ایک کار میں سوار 14 اگست کی شام واہگہ بارڈر کی جانب رواں دواں ہیں۔مشن وہی کہ واہگہ پہنچ کر موم بتیاں جلائی جائیں، امن کے کچھ گیت گائے جائیں۔کلدیپ کہتے ہیں کہ یہ سڑک اگر یونہی چلتی جائے اور رستے میں بارڈر چیک پوسٹ نہ آئے تو ہم میرے آبائی گھر پہنچ جائیں گے سیالکوٹ میں۔اگر مجھے جانے دیں تو میں وہاں سے کیا چرا لوں گا۔کیا اس طرف چوروں کی کمی ہے۔کیا ہماری طرف چوروں کی کمی ہے؟''

کلدیپ نائر کی طرح اپنی جنم بھومی سے پیار کرنے والے خوشونت سنگھ

جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی یاد میں ان کے آبائی گاوں ہڈالی میں ایک تعزیتی ریفرنس رکھا گیا جس میں جہاں پاکستان کے نامور ادیب اور صحافیوں نے خطاب کرکے خوشونت سنگھ کو خراجِ تحسین پیش کیا وہیں کلدیپ نائر نے بھی بذریعہ ٹیلی فون خطاب کیا۔ جب ان سے کہا گیا کہ ”کلدیپ جی! ایہ لوکی پنجابی بولدے تے سمجھدے نیں“ تو کلدیپ نائر نے اپنا سارا خطاب پنجابی میں کیا اور خوشونت سنگھ کی اپنی جنم بھومی سے محبت کو سراہا۔

صحافی کے علاوہ آپ کی ایک شناخت یہ بھی تھی کہ کلدیپ نائر انسانی حقوق کے ایک سرگرم کارکن و علمبردار تھے اور اس حیثیت میں وہ کبھی مصلحت کا شکار نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز سنتے تھے اور عوام الناس کی ترقی و خوشحالی کے لیے کارفرما رہے۔ آپ 2003ء آسٹر اعزاز برائے آزادی صحافت سے نوازے گئے جبکہ 2007ء میں شہید نیوگی میموریل ایوارڈ فور لائف ٹائم اچیومنٹ سے آپ سرفراز کیے گئے۔ ان کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں نجی سطح پر بھی اور حکومت ہند نے بھی مختلف اعزازات سے نوازا۔ جن میں 2019ء میں ملنے والا پدما بھوشن (Posthumous) بھی شامل ہے۔

95 سال کی عمر میں کلدیپ نائر 23 اگست 2018ء کو دہلی میں انتقال کر گئے۔ کلدیپ نائر کی خواہش تھی کہ مرنے کے بعد ان کی میت کو جلا کر راکھ لاہور کے پہلو میں بہنے والے دریائے راوی میں بہادی جائے۔ ان کی راکھ کو ان کی پوتی مندیرا نائر اپنے شوہر رتیش نندا اور دیگر کچھ احباب، دوست کے ساتھ پاکستان لے کر آئے۔ اور شاہدرہ کے مقام پر دریائے راوی میں اپنے دادا کی لاش کی باقیات بہائیں۔

اپنی کتاب ”Beyond the Lines“ کے اختتام پہ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا جس میں ایران کے مشہور صوفی شاعر "عمر خیام" کی یہ رباعی ملی۔ میں ایک اعلیٰ ترین مثال، جتنا کہ تصور کر سکتا ہوں، کے طور پر اس کا حوالہ دوں گا اور میری خواہش ہے کہ میرے دل میں اور ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کے دلوں میں باقی رہے۔

کتابِ محبت میں یہ لکھا ہے
کہ مجھے اس کتاب کی کوئی قدر نہیں
میرا نام اس کتاب سے مٹا دو یا لکھا رہنے دو
میرا نام اسپر ہمیشہ لکھا رہے گا

***

اُردو کا فوری اور مکمل نفاذ

پروفیسر محمد سلیم ہاشمی

ہم پاکستان میں ہر شعبہ زندگی میں ہر سطح پر اردو کا فوری اور مکمل نفاذ چاہتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم پاکستان میں اردو کو سرکاری، انتظامی، تعلیمی، دفتری، عدالتی اور کاروبار مملکت کی زبان کے طور پر نافذ ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہر ہر جگہ، ہر ہر مقام پر صرف اور صرف اردو کچھ دوست ہماری سوچ کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے اور کچھ عجیب و غریب سوال پوچھنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپ غریبوں کو بالکل مروا دینا چاہتے ہیں، بھلا ہمارے بچے جب اردو میں پڑھیں گے تو ان کو نوکریاں کیسے ملیں گی؟ اب جو ہمارے اکا دکا بچے پڑھ جاتے ہیں آپ ان کو بھی تعلیمی میدان سے باہر دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ انگریزی میڈیم اسکولوں کے مالک اور طلبا و اساتذہ آپ کی کوششوں کو ناکام بنا دیں گے۔ اب ان کو جس بات کی سمجھ نہیں آتی وہ یہ کہ اردو کے نفاذ کے بعد پاکستان میں سب کچھ صرف اردو میں ہوگا، پڑھے گا وہ جسے اردو آتی ہوگی، نوکری اسے ملے گی جسے اردو آتی ہوگی، مقابلے کے امتحان میں وہ بیٹھے گا جس کو اردو آتی ہوگی۔ رہی انگریزی تو اس کو پاکستان میں وہی حیثیت حاصل ہوگی جو اسے فرانس، جرمنی، سپین، روس، چین، جاپان، ترکی، ایران اور دنیا کے 190 ممالک میں حاصل ہے۔

انگریزی میڈیم اسکولوں کا کیا ہوگا؟ انگریزی میڈیم اسکولوں کے مالکان، اساتذہ اور طلبا سے زیادہ خوش کوئی نہیں ہوگا۔ جب ان کو پتا چلے گا کہ اب ان کی جان انگریزی سے چھوٹ گئی ہے اور اب وہ اردو میں تعلیم حاصل کر سکیں گے تو ان سے زیادہ خوش کوئی نہ ہوگا کہ جو جو پاپڑ وہ بیلتے ہیں اور جس جس طرح وہ انگریزی کو حلق سے نیچے اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں یہ کچھ وہ ہی جانتے ہیں۔ پھر یہ کہ جب اعلیٰ تعلیم، مقابلے کے امتحانات، ملازمتیں، انٹرویو، اور باقی سب کچھ اردو میں ہوگا تو کوئی بھلا انگریزی کی طرف کیوں جائے گا؟ بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان پاکستان بن جائے اور پاکستانی اس ملک میں اس کو اپنا ملک سمجھ کر اپنے ملک کی طرح رہیں۔ کیا آپ کو آزاد اور غلام کے طرز زندگی میں فرق کا پتا ہے؟ نہیں پتا ہوگا، ہم آزاد ہی کب ہوئے ہیں، 14 اگست 1947 کو ہم انگریز کی غلامی سے انگریزی کی غلامی میں چلے گئے

تھے۔بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی۔ (علامہ اقبال) پروفیسر محمد سلیم ہاشمی اشتراک فاطمہ قمر پاکستان قومی زبان تحریک مرزا غالب کو ایک مقدمہ میں چھ ماہ کی قید ہوگئی جب رہائی ملی تو میاں کالے کے ہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ایک دن گلی سے گزرتے ہوئے ایک دوست سے ملاقات ہوئی، دوست نے دریافت کیا کہ مرزا کہاں قیام ہے؟ مرزا نے جواب دیا، بھائی کہاں قیام ہوگا، پہلے گورے کے قید میں تھا، اب کالے کی قید میں ہوں۔ٹھیک اسی طرح جب انگریزی زبان کے غاصبانہ تسلط سے پراثر احساس کمتری کے شکار ایک طبقہ اور اذہان کو دیکھتا ہوں تو معذرت کے ساتھ یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ پہلے گوروں کی قید میں تھے، اب گوروں کی زبان کی قید میں ہیں۔بہتر سال کے بعد بہ ہر حال غلامی کا طوق انگریزی زبان کی شکل میں موجود ہے۔آپ عمیق مشاہدہ کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ گفتگو کے دوران ہمارے ارگرد ایسے افراد اپنی بات کی ٹھیک وضاحت نہ انگریزی میں کر پا رہے ہوتے ہیں اور نہ ہی اردو میں ایسے افراد کو بوجہ قلیل علم و نامکمل دسترس، اظہار خیال کے لئے صحیح پروقار نمائندہ الفاظ نہ تو انگریزی زبان میں مل پاتے ہیں اور نہ ہی اردو زبان میں تو پھر ایک سوال ہے کہ کیا اظہار خیال کے لئے انگریزی میں منہ کو ٹیڑھا میڑھا کرکے ایسی مشکل سے دوچار ہونا لازم ہے....؟

پروفیسر عبدالقدیر کوکب

لکھنا دشوار بہت ہاتھ میں جس کے خم ہو
آنکھ بھر آتی ہے جب دل میں کوئی بھی غم ہو
شدتِ غم ہے تو پھر گر جا ابھی سجدے میں
تب ہی سجدے سے تو اُٹھ آنکھ تیری جب نم ہو
مجھ کو تو فکر نہیں چاہیے اگر نہ کوئی
فکر ہے اس کی محبت نہ کبھی بھی کم ہو
یاد کرتے ہیں ہمیشہ اسے ہم مشکل میں
یاد بہتر ہے کریں کوئی نہ جب بھی غم ہو
بات سچی ہو تو دشوار ہے کوکبؔ کہنا
موت ہو سامنے گر بات میں پھر بھی دم ہو

آدم چغتائی۔جو واقعی شاعر تھا

رانا عبدالرزاق خان لندن

نام عبدالواسع، والد کا نام حکیم محمد حسین مرحوم عیسیٰ والے۔

متوطن لاہور۔مغلیہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔پیدائش ۱۹۳۴۔ وفات ۲۱ جولائی ۲۰۱۹۔عمر ۸۵ سال برمنگھم۔دیال سنگھ کالج لاہور سے بی اے کیا۔اور اسکاؤٹنگ میں کافی کام کرنے کا موقع ملا۔۱۹۶۲ میں لندن آ گئے۔بینک میں کام کیا۔ویسے تو بہت سے شعبہ جات میں کام کیا۔ادب سے اسقدر لگاؤ تھا کہ ادب پرست تھے۔اقبال اکیڈمی کے عرصہ پچاس سال تک جنرل سیکرٹری رہے جبکہ محسن احسان اس کے صدر تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کولحنِ داؤدی سے نوازا تھا۔کوئی بھی فنکشن ہو، کسی ادب پرست کا یا مہمان کا برمنگھم قونصلیٹ میں آنا ہو۔اس کی شان میں کوئی تقریب یا مشاعرہ ہوتا تو آدم چغتائی سرخیل ہوتے۔ترنم سے نعت یا حمد پڑھتے۔اور سامعین کا دل موہ لیتے۔کہ احباب عش عش کراُٹھتے۔مشاعروں کے اسقدر رسیا کہ لندن کا چکر ہر ویک اینڈ پر لگ جاتا۔پاکستان سے آنے والے ہر بڑے شاعر کی میز بانی میں پیش پیش رہتے۔فیض ہو کہ فراز سب کا دل موہ لیتے۔پہلا مجموعہ کلام نوائے آدم کے نام سے شائع کیا جس کی بہت پذیرائی ہوئی۔میں ۲۰۰۵ میں لندن آیا تو ان سے ایک مشاعرے میں ملاقات ہوئی۔تو ان کے اخلاق اور متانت نے مجھ پر جادو سا کر دیا۔عاجزی اور انکساری مثالی تھی۔اخترام اور شیریں زبان نے مجھے ان کا دیوانہ کردیا۔شعر گوئی اور تمثیلی زبان پر انہیں طہت اختیار تھا۔گل لالہ اور یاسمین کی بات کرنا ان کی فطرت ثانیہ تھی۔محبوب کا تذکرہ بہاروں کے ماحول میں ایک سماں باندھ دیتے تھے۔ایک شعر کہتے تو اسے بیسیوں دفعہ دہراتے۔ردو بدل کرتے۔بار بار الفاظ کو ان اشعار میں نگینے کی طرح جڑتے۔جب تک غزل پوری نہ ہو جاتی آرام سے نہ بیٹھتے۔موتی اور سیپ، روبی اور زمرد لا کر اس غزل کے اشعار میں پرونے کی کوشش کرتے۔ادب کے عاشق تھے۔پھر انہوں نے جستجوئے جمال کے مجموعے کو تیار کیا۔واقعی اس میں ایک جمالیاتی ماحول ہے۔محبوب کے جمال کے استعارے اور تشبیہاتے نے کمال کر دیا ہے۔سب اشعار معنی خیز اور محمل ہیں۔عام قاری اس کو پڑھ کر سمجھنے سے قاصر ہے۔جا بجا فارسی کے الفاظ کا استعمال

اس کتاب کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ جستجوئے جمال پر مشہور ادیبوں کے تبصرے درج کر کے اس عظیم شاعر کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔

عقیل دانش

دل میں گداز، لہجے میں درد، فکر میں صلابت اور سوچ میں وسعت ہو تو اکثر اوقات گنگناہٹ شعر کا رُوپ دھار لیتی ہے۔ اگر انسان اچھی آواز، ستھرے لہجے اور دل آویز ادائیگی کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ذوقِ سلیم بھی رکھتا ہو تو شعر کہنا برحق ہو جاتا ہے۔ یہی آدم چغتائی کے ساتھ ہوا

پروفیسر ڈاکٹر مظفر حنفی

آدم چغتائی ایک شائستہ متین وضع دار اور تراشے ہوئے آدمی ہیں۔ ان کی شاعری میں ان کے شخصی اوصاف شائستگی، متانت، پاسِ روایت اور تراشگی کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایک نیک خو انسان کے افکار و جذبات میں جو پاکیزگی اور خوش خصلتی ہونی چاہیئے۔ کلام آدم چغتائی میں اس کی واضح جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ مجھے موصوف کی غزلیہ لہجے کی معصومیت اور سادگی نے بطور خاص متاثر کیا۔ نغمگی اور گھلاوٹ، خلوص اور خود سپردگی بھی ان کی غزل کے نمایاں اوصاف ہیں۔ ان کا تازہ مجموعہ کلام جستجوئے جمال منظر عام پر آ گیا ہے میں توقع کرتا ہوں کہ ادبی حلقوں میں ان کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

پروفیسر محسن احسان

برمنگھم کی ادبی محفلوں میں جناب آدم چغتائی سے دو چار ملاقاتیں ہوئیں۔ بڑی محبت اور یگانگت سے پیش آئے۔ ان کی آنکھوں میں اخلاص کی جھلک، چہرے پر سنجیدگی، اور خشخشی داڑھی کے پیچھے ہلکی سی مسکراہٹ اچھی لگی۔ آدم چغتائی روایت کی پاس داری، حرف کی وضع داری اور معانی کی تہہ داری کے قائل ہیں۔ اور انھیں نبھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اُن کا ذوقِ سخن صاف سادہ، شائستہ اور توانا ہے وہ زندگی کی سچائیوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اور حالات کی سنگینیوں کو پرکھنے کا ہنر جانتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ وہ برطانیہ کی ادبی فضا میں اردو زبان و ادب کی توسیع کے سلسلے میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ اپنے قارئین کی جھولی میں تازہ تازہ پھول بکھیرتے رہیں۔ تاکہ ادب کا یہ گلستان خوشبوؤں سے بھرا رہے۔ **

بوڑھا مرد اور محبت

رجل خوشاب

میں ایک پینسٹھ سالہ پوتوں نواسوں والا مرد ہوں میں خود کو بوڑھا نہیں سمجھتا جبکہ میری آل اولاد مجھے بوڑھے کے سانچے میں مکمل فٹ کرنے کی تگ ودو میں لگی رہتی ہے بڑی بہو ہر وقت مجھے پرہیزی کھانوں کی افادیت بتاتی رہتی ہے کہ اس عمر میں زیادہ میٹھا نمکین چٹپٹا کھانے کا مطلب قبر کے سرہانے کھڑے ہونے کا ہے۔ بیٹے کا جب بھی کہیں باہر جانا ہوتا ہے تو میرے لئے رنگ برنگی قیمتی نمازی ٹوپیاں عطر قیمتی تسبیح یا مسواک لانا نہیں بھولتا مجھے یاد ہے آج سے چند برس پہلے اس نے میرے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا ابا جی آپ نے جتنی محنت مشقت کرنی تھی کر لی اب ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں آپ آرام کریں اور اللہ اللہ کریں۔ میری بیٹی جب بچوں سمیت میکے آتی ہے تو بچوں کو کہتی ہے نانا کے پاس بیٹھا کرو بزرگوں کے ساتھ بیٹھنے سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے اور میں مسکرا دیتا ہوں۔ میرے بچے اچھے ہیں میرا خیال رکھتے ہیں لیکن مجھے میرے مطابق جینے نہیں دیتے یہ بات انہیں نہیں پتا کہ انکا ایسا خیال رکھنا میرے اندر عجیب سی مزاحمت پیدا کر رہا ہوتا ہے۔ میں نے اپنی پوری جوانی انتہائی شرافت سے گزاری ہے (بدمعاشی تو اب بھی نہیں چاہتا) ساری زندگی اپنی بیوی زہرہ اور اپنے بچوں کے ساتھ وفاداری سے گزاری انکے آرام اور سکھ چین کے لئے جوانی وقف کر دی اور آخر کار اپنے بیوی بچوں کو ایک اچھا لائف اسٹائل دینے میں کامیاب ہوا اب اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ لیکن میرے دل کے حالات میری عمر کے ساتھ میل نہیں کھاتے میرا دل چاہتا ہے میں اپنی زہرہ کا ہاتھ پکڑے ساحل سمندر پہ کوئی رومینٹک گیت گاؤں، رنگ برنگی شرٹس پہنوں ساحل کی ریت پہ اپنی زہرہ کے ساتھ فٹبال کھیلوں وہ ہر کک پہ خوشی سے تالیاں بجاؤں اسکی کلائیوں میں پڑی سرخ و سبز چوڑیوں کی کھنک ساحل سے ٹکراتی لہروں کی آواز سے ہم آہنگ ہوں تو کتنا خوبصورت منظر ہو۔ لیکن وہ تو پھیکے رنگوں والی مینے والی چوڑیاں پہنتی ہے میں نے رنگین چوڑیاں پہننے کے لئے کہا تو ناک سے مکھی ہٹانے والے انداز میں ہاتھ لہرایا اور جھینپ کے منہ پہ رکھ لیا کہنے لگی۔ اقبال ساب بڈے وارے آپکی یہ شوخیاں نری چوّلیں ہی لگتی ہیں۔ میری جوان اُمنگوں پہ بوڑھا پوچا پھیرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں خود پہ فخر کر رہی ہوگی کہ اس عمر میں بھی اسکا

بڑھا شوہر اسکے واری صدقے ہوا جاتا ہے یہ بیویاں ہوتی ہی ایسی ہیں اوپری اوپری بے نیاز اور اندر سے شکر گزار لیکن جو کام کرنے والا ہوتا ہے وہ نہیں کرتیں خاوند کی باتوں کو مذاق ہی سمجھتی ہیں۔ایک بار چاندرات پہ بازار میں رنگ برنگی چوڑیاں دیکھ کے دل للچایا تو اپنی زہرہ کے لئے لے لیں گھر آیا تو سب لاؤنج میں ہی بیٹھے ملے میں نے چوڑیاں زہرہ کو دیتے ہوئے کہا اس عید پہ یہ والی چوڑیاں پہننا وہ اس حملے کے لئے تیار نہ تھی بوکھلاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی میری نظر بہوؤں پہ پڑی جو ایک دوسرے کو تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ آنکھوں آنکھوں میں معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں بیٹے الگ نظریں چرا رہے تھے یعنی اب میں اپنی بیوی کو پسند کا کوئی تحفہ بھی نہیں دے سکتا کہ میرے بچوں کو برا لگتا ہے کیوں برا لگتا ہے کیا انکی ماں میری بیوی نہیں؟

یہی بات میں نے روبی سے کہی تو ہنس کے کہنے لگی اقبال صاحب ہم تو ہمیشہ سے ایسے تحفے کے منتظر ہی رہے اگلی بار دل چاہے تو چوڑیاں ہمیں بھجوا دیجئے گا واللہ انکار نہ کریں گے۔وہ ایسی ہی ہے منٹوں میں بات کو ادھر ادھر کر کے من ہلکا کر دیتی ہے روبی میری فیسبک فرینڈ ہے اسی نے دوستی کرنے میں پہل کی وہ پینتیس سالہ بینک آفیسر ہے بہت پہلے والد کا انتقال ہو چکا ہے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھایا لکھایا انکی شادیاں کیں سب اپنے گھروں میں خوش آباد ہیں جبکہ وہ بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی ہے۔اسکی شادی کا خیال اب پرانا ہو چکا اسی لئے کسی نے نہ سوچا یا شاید سوچنا نہیں چاہتے ابھی ایک بیمار بوڑھی ماں کی تیمارداری کا آخری فرض اسی نے تو پورا کرنا ہے۔کبھی کبھی فون کال پہ بھی ہماری بات ہو جاتی ہے زہرہ سے بھی بات کرتی ہے وہ اسے بیٹی کہتی ہے لیکن روبی ہمیشہ ’’زہرہ جی‘‘ کہہ کے پکارتی ہے وہ آنٹی انکل یا اماں جی بابا جی جیسے ٹانکے نہیں لگاتی یا تو خود کو ’’بڑی‘‘ سمجھتی ہے یا پھر ہمیں بڈھے نہیں مانتی۔میں اسے جب بھی شادی کر لینے کا مشورہ دیتا ہوں تو جھٹ سے کہتی ہے۔آپ سا کوئی ہو تو سوچنے میں ایک منٹ نہ لگاؤں قسم سے اسکی باتوں سے اسکی پسندیدگی چھلکتی ہے لیکن میں اپنی زہرہ سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔یہ بات وہ بھی اچھے سے جانتی ہے۔فیسبک کی دنیا ہم جیسے ویلوں کے لئے بہترین ہے نماز و اذکار کے بعد کی فراغت کا بہترین حل ہے۔ایک بار رات مجھے نیند نہیں آرہی تھی تو میں نے فیسبک کھول لی اور مصروف ہو گیا میرے بیٹے نے اتفاقاً دیکھ لیا کہنے لگا ابا جی یہ سب فضول کی چیزیں ہیں رات اگر آنکھ کھل جائے تو تہجد پڑھ لیا کریں۔(منقول)

بچپن کے دن

عاصی صحرائی

اگر آپ نے گولی والی بوتل پی ہوئی ہے، ریڑھی سے تازہ لچھے بنوا کر کھائے ہوئے ہیں، کپڑے کا بستہ استعمال کیا ہوا ہے، رات کے وقت کالا دھاگہ باندھ کر لوگوں کے گھروں کی کنڈیاں کھڑکائی ہوئی ہیں۔بنٹے کھیلے ہوئے ہیں، سائیکل کے ٹائر کو چھڑی کے ساتھ گلیوں میں گھمایا ہوا ہے، شب برات پر مصالحہ لگی چچڑ سمینٹ والی دیوار سے رگڑی ہوئی ہے، دو روپے والا نیلا نوٹ استعمال کیا ہوا ہے، اُستاد سے مار کھائی ہوئی ہے، ریاضی کا مسئلہ اثباتی حل کیا ہوا ہے، عاد اعظم نکالے ہوئے ہیں، پٹھو گرم کھیلے ہوئے ہیں، سکول کی آدھی چھٹی کا لطف اُٹھایا ہوا ہے، تختی کو گاچی لگائی ہوئی ہے، گھر سے آٹا لے جا کر تنور سے روٹیاں لگوائی ہوئی ہیں، سکول کی دیوار پھلانگی ہوئی ہے، غلے میں پیسے جمع کیے ہوئے ہیں، سہ پہر چار بجے بولتے ہاتھ دیکھا ہوا ہے، پی ٹی وی پر کشتیاں دیکھی ہوئی ہیں، چھت پر چڑھ کر انٹینا ٹھیک کیا ہوا ہے، بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی دیکھا ہوا ہے، اپنے لینڈ لائن فون کو لکڑی کے باکس میں تالا لگا کر بند کیا ہوا ہے، میلے میں تین دن تک سائیکل چلتی دیکھی ہے، کتاب کے لئے ابا جی سے پیسے لیکر عمران سیریز خریدی ہوئی ہے، بارات میں پیسے لوٹے ہوئے ہوں، کسی دشمن کی دیوار پر کوئلے سے بھڑاس نکالی ہو، پانی کے ٹب میں موم بتی والی کشتی چلائی ہو، سرکاری ہسپتال سے اپنی ذاتی بوتل میں کھانسی والی دوائی بھروائی ہو، سردیوں میں رضائی میں گھس کر ڈراؤنے قصے سنے ہوں، سر کٹے انسان کی افواہیں سنی ہوں، کھڑکھڑاتے ریڈیو پر سیلاب کی تازہ صورتحال سنی ہو، رسی لپیٹ کر لاٹو چلایا ہو، سمیع اللہ کو ہاکی کے میدان میں قومی نشریاتی رابطے پر فتح سے ہمکنار ہوتے دیکھا ہو، گھر کی چھت پر مٹی کا لیپ کیا ہو، پینٹ پہن کر محلے والوں کی طنزیہ نظروں کا سامنا کیا ہو، گرمیوں میں چھت پر چھڑکاؤ کیا ہو، جون جولائی کی تپتی دوپہر میں گلی ڈنڈا کھیلا ہو، پھولوں کی کڑھائی والے تکیے پر سنہرے خواب دیکھے ہوں، گھر کے کسی کونے میں خوش آمدید لکھا ہے، ٹی وی پر غلاف چڑھایا ہے، لالٹین میں مٹی کا تیل بھروایا ہے، ہاتھ والا نلکا چلا کر بالٹیاں بھری ہیں، ایک روپے میں کریم کی خالی شیشی ری فل کروائی ہے، یسو پنجو کھیلا ہے، لڈو کھیلتے ہوئے انتہائی خطرناک موقع پر تین دفعہ چھ آیا ہے، ڈھیلی تیلیوں والی ماچس استعمال کی ہے، تختی کے لیے بازار سے قلم خرید کر اسکی نوک بلیڈ سے کاٹ کر درمیاں میں ایک کٹ لگایا ہے، خوشخطی کے لئے مارکر کی نب کاٹی ہے، ہولڈر استعمال کیا ہے، زیڈ اور جی کی نب خریدی ہے، فلاوری انگلش

لکھی ہے، گھی کے خالی پیپے کو تار سے باندھ کر لوکل گیزر کا لطف لیا ہے، سر پر تیل کی تہہ اور سرمہ لگا کر خوبصورت لگنے کی کوشش کی ہے، ون ٹین کیمرہ استعمال کیا ہے، ٹچ بٹن والی شرٹ پہنی ہے، اپنے گھر کی سفیدی کی ہے، آگ میں کاغذ جلائے ہیں، بالٹی میں آم ٹھنڈے کر کے کھائے ہیں، رف کاپی استعمال کی ہے، کھلی لائنوں والا دستہ خرید کر اس پر اخبار چڑھایا ہے، گندھے ہوئے آٹے کی چڑی بنائی ہے، الارم والی گھڑی کے خواب دیکھے ہیں، بلی مارکہ اگربتی خریدی ہے، مرونڈے کی لذت سے سرشار ہوئے ہیں، کلاس میں مرغا بنے ہیں، ہمسائیوں کے گھر سے سالن مانگا ہے، مہمان کی آمد پر خوشیاں منائی ہیں، سائیکل کی قینچی چلائی ہے۔

والد صاحب کی ٹانگیں دبائی ہیں، سردیوں میں ماں کے ہاتھ کا بنا سویٹر پہنا ہے، چھپ چھپ کر سگرٹوں کے سوٹے لگائے ہیں، امتحانوں کی راتوں میں گیس پیپرز کے حصول کے لئے دوستوں کے گھروں کے چکر کاٹے ہیں، قائداعظم کے چودہ نکات چھت پر ٹہل ٹہل کر یاد کیے ہیں، چلوسک ملوسک، عمرو عیار، چھن چھنگلو، کالا گلاب اور عنبر ناگ ماریا کی کہانیاں پڑھی ہیں، فرہاد علی تیمور سے متاثر ہو کر موم بتی کو گھور گھور کر ٹیلی پیتھی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، کاغذ کے اوپر کیل اور لوہ چون رکھ کر نیچے مقناطیس گھمانے کا مزا لیا ہے، محلے کے لڑکوں کے ساتھ مل کر پانچ وقت نماز کے منصوبے بنائے ہیں، صبح سویرے ڈول پکڑے گوالے سے دودھ لینے جاتے رہے ہیں، برفی کا سب سے بڑا ٹکڑا باوجود گھورتی نظروں کے اُٹھانے کی جسارت کی ہے، لاٹری میں کنگھی نکلی ہے، سردیوں کی تراویح میں پنکھے چلا کر مسجد سے فرار ہوئے ہیں، رات کو آسمان کے تارے گنے ہیں، سائیکل پر نئی گھنٹی لگوائی ہے، زکام کی صورت میں آستینوں سے ناک پونچھی ہے، ڈیموں (بھڑ) کو دھاگا باندھ کر اُڑایا ہوا ہے، شہد کی مکھیوں کے چھتے میں پتھر مارا ہوا ہے، مالٹے کے چھلکے دبا کر اس سے دوستوں کی آنکھوں پر حملہ کیا ہوا ہے، اور صبح سویرے گلی میں کسی کے درود شریف پڑھتے ہوئے گزرنے کی آواز سنی ہے۔

کیونکہ یہ ساری چیزیں اسوقت کی ہیں جب زندگیوں میں عجیب طرح کا سکوں ہوا کرتا تھا لوگ ہنسنے اور رونے کی لذت سے آشنا تھے لڑائی کبھی جنگ کا رُوپ نہیں دھارتی تھی۔ رشتے اور تعلقات جھوٹی انا کے مقابل طاقتور تھے تب غریب کوئی بھی نہیں ہوتا تھا کیونکہ سب ہی غریب تھے۔ مجھے فخر ہے کہ میرا تعلق اس دور سے ہے جب نہ کسی کے پاس موبائل تھا نہ کوئی اپنی لوکیشن شیئر کر سکتا تھا لیکن سب رابطے میں ہوتے تھے سب کو پتا ہوتا تھا کہ اس وقت کون کہاں ہے کیونکہ سب کا نیٹ ورک ایک ہوتا تھا۔ ***

منافقت سے چھٹکارا

جمیل احمد بٹ

چھ جون کے جنگ میں ایک کالم بعنوان ’پاکستان کا مسئلہ نمبر ون‘ شائع ہوا ہے جس میں کالم نگار نے تحریر فرمایا ہے کہ:

’ہم اس وقت ہر طرح کی ذلتوں کا شکار ہو رہے ہیں اور یہ سوال اُٹھایا ہے کہ یہ پیارا وطن روز بروز زوال اور انحطاط کی طرف کیوں جا رہا ہے؟‘

انہوں نے اس کی وجہ منافقت قرار دی ہے۔ اور اس کی تائید میں مزید لکھا ہے کہ ’پاکستان میں ہر طبقے میں خیانت کی وبا آخری حدوں تک سرایت کر چکی ہے‘۔ ’پاکستانی قوم کو بغیر کسی تامّل کے دنیا کی سب سے زیادہ جھوٹی قوم قرار دیا جا سکتا ہے‘۔ ’وعدہ خلافی تو اس قوم کا طرّہ امتیاز بن گیا ہے‘۔ ’پہلے تو عوامی سطح پر یہ وبا (گالم گلوچ) عام تھی اس وبا نے سیاست اور میڈیا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے‘۔ ’اس وقت ہم اس ملک میں ایک طرف ایسے ایسے مظالم دیکھ رہے ہیں کہ انسان تو کیا وحشیوں سے بھی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی لیکن دوسری طرف ہم بزدل ترین اور خوشامدی قوم بن گئے ہیں‘۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ منافقت باطن کا ظاہر کے مطابق نہ ہونا ہے۔ کیا یہ پھیلی ہوئی منافقت آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق نہیں کہ ’وہ زمانہ آتا ہے کہ اسلام کا محض نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے محض الفاظ رہ جائیں گے۔ اس زمانے کے لوگوں کی مساجد بظاہر تو آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔ اور ان کے علما آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے ان سے ہی فتنہ پیدا ہوگا اور ان ہی میں لوٹ جائے گا‘۔

(ترجمہ از مشکوٰۃ کتاب العلم)

کالم نگار نے اس مسئلہ کا حل یہ تجویز فرمایا ہے کہ ’اس کا واحد راستہ بس یہی ہے کہ لوگوں کو سچ بولنے دیجئے‘۔ سوال یہ ہے کہ لوگوں کو سچ بولنے سے روک کون رہا ہے؟ کیا لوگ خود با رضا و رغبت جھوٹ نہیں بول رہے؟ پس اصل حل تو ترکِ منافقت ہے۔ کہ دل میں اس ایمان کو جگہ دی جائے جس کا دعویٰ زبان پر ہے۔ ایسا ہونے کا آسمانی نظام حضرت نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ’اگر ایمان ثریّا ستارے تک بھی چلا گیا تو ان (اہل فارس) میں سے کچھ لوگ اسے واپس لے آئیں گے‘۔ (ترجمہ از بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ اور مسلم کتاب الفضائل) یہ واقعہ سب کے سامنے ہے کہ جن لوگوں سے اس علاج سے فائدہ اُٹھایا وہ پھر سے مومن ہو گئے۔ اسی ماحول میں رہتے ہوئے وہ مختلف انسان ہو گئے۔ ان کے ظاہر باہر ایک ہو گئے۔ وہ امانت دار، سچے، وعدہ کے پابند اور زبان کے پاک ہو گئے۔ اللہ کے ساتھ بندوں کے حقوق کی ادائیگی ان کا نصب العین ٹھہرا۔ دین کی عظمت اور سربلندی کے لئے اپنے اموال، اوقات، عزت اور جانوں کی قربانی ان کا طریق ہوا۔ چہار سو نا انصافیوں، حق تلفیوں اور گالم گلوچ پر انہوں نے کمال صبر سے صرفِ نظر کر کے اپنے رب کے سامنے عاجزانہ دعاؤں کا راستہ اختیار کیا اور اللہ کی دی ہوئی تسکین سے مسکراتے چہروں کے ساتھ پانچ۔ چھ نسلوں سے ہر ظلم کو برداشت کرنے کی توفیق پائی۔ اس کے صلہ میں اللہ نے ان پر اپنا فضل کیا اور انہیں انعامات سے نوازا۔ انہیں خود سے تعلق میں بڑھایا۔ انہیں قبولیت دعا کی نعمت دی۔ انہیں دنیا میں ان جیسے علم و قابلیت رکھنے والے بے شمار دوسروں سے ممتاز کیا۔ انہیں اعلیٰ مناصب اور ان میں بہترین کارکردگی دکھانے کے قابل کیا۔ انہیں ملک اور قوم کے لئے سول، فوجی اور ہر دیگر میدان میں بار بار نیک نامی کمانے اور شان بڑھانے والا بنایا۔ ان لوگوں کا نیکی کی راہ پر کامیابی سے چل سکنا اور اللہ کے ہاں اس کی قبولیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منافقت سے چھٹکارا کی اصل راہ یہی ہے۔ یہ راہ ہر شنوا کان، بینا آنکھ اور روشن دل کے لئے کھلی ہے۔ آگے بڑھ کے جو اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کی ہے۔

’’مریضِ عشق‘‘

تمام تر احتیاط کرنے کے باوجود بھی اسے کورونا ہو چکا تھا چاہئے نہ ایران اٹلی امریکہ اور دیگر ممالک میں کورونا وائرس کی تباہ کاریوں کی خبریں سن سنکر وہ ذہنی مریض پہلے ہی بن چکا تھا اسکا بیٹا لیبارٹری رپورٹ لیکر اس کے کمرے میں بیٹھا سوچوں میں گم تھا کے اب کیا کیا جائے پورے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا ہو کا عالم تھا اچانک گلی میں شور ہوا پولیس آ گئی پولیس نہ جانے کس نے پولیس تک بھی اسکو کورونا ہونے کی خبر پہنچا دی تھی پوری گلی کو بند کر دیا گیا تھا پولیس اور انتظامیہ زبردستی انکے گھر میں گھس آئی تھے جیسے انکے گھر کوئی ایٹم بم پڑا ہو یا کوئی بہت بڑا دہشتگرد چھپا ہو سب نے ڈاکوؤں کی طرح چہرے ہاتھ پاؤں ہر چیز ڈھانپ رکھی تھی کہاں ہے مریض کہاں ہے مریض پیچھے ہٹ جاؤ پیچھے ہٹ جاؤ گھر میں جیسے کہرام برپا ہو گیا ہو بچے عورتیں سب ہی رونے لگے اسے دور

سے ہی اچھوت سمجھتے ہوئے جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے باہر کھڑی ایمبولینس میں بیٹھنے کا کہا جانے لگا کوئی اسے سہارا دینے کو بھی تیار نہ تھا دروازے پر پہنچ کر اس نے بڑی ہمت سے نم آنکھوں کیساتھ مڑ کر اپنے بچوں کیطرف دیکھا سب روئے دھوئے جا رہے تھے اسے لگا جیسے وہ آخری دفعہ اپنے گھر سے جا رہا ہے خیر نا چاہتے ہوئے بھی اسے ایمبولینس میں بیٹھنا پڑا اس ساری کاروائی نے کورونا ہونے کی رپورٹ ملنے سے کہیں زیادہ اسے خوف میں مبتلا کر دیا تھا اسے اپنی موت پکی لگنے لگی تھی۔ہسپتال پہنچ کر بھی اسے بغیر سہارے کے ہی خود ہی ایمبولینس سے اُترنا پڑا اسے کورونا وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔قبرستان جیسا سناٹا تھا کسی کے بولنے تک کی آواز نہیں آ رہی تھی بھوتوں جیسا لباس پہنے ڈاکٹر پھرتے نظر آ رہے تھے اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا مایوسی اسکے دل و دماغ پر راج کرنے لگی موت اسکی نظروں کے سامنے ننگا ناچ کرنے لگی کوئی بھی اسے دلاسہ دینے والا نہیں تھا اس کے بہتے آنسو روکنے والا نہیں تھا بس اک چیز ہی اسے یاد آ رہی تھی وہ تھی موت اور بس اک چیز ہی کا اسے انتظار تھا وہ بھی تھی موت کیونکہ اسکے اردگرد کا بھیانک ماحول اسے یہی کہانی سنا رہا تھا اُسے یہ ہی رزلٹ بتا رہا تھا کورونا وارڈ میں اسے آج پانچ دن ہو گئے تھے ڈاکٹر نے اسکی حالت دیکھتے ہوئے ساتھ والے ڈاکٹر سے کہا اس بندے پر بھی دوا اثر نہیں کر رہی اسکی حالت مزید بگڑ رہی ہے ایک آدھے دن میں وینٹیلیٹر لگانا پڑے گا ۔اس نے دل میں ہی ڈاکٹر کو جواب دیتے ہوئے کہا جب موت آ ہی کھڑی ھے تو وینٹی لیٹر کیسے بچا پائے مگر ضمیر بھی فوراً ہی بول اٹھا بچانے والا تو بغیر وینٹیلیٹر کے بھی بچا سکتا ہے اسکے آگے کیا مشکل ھے اسے صلاح الدین ایوبی کا فرمان یاد آ گیا موت لکھی نہ ہو تو موت خود زندگی کی حفاظت کرتی ھے امید کی کرنیں مایوسیوں میں جکڑے دماغ پر پڑنے لگیں سوچ نے پلٹی کھائی اسے اپنا ہونے والا ایک خطرناک ایکسیڈنٹ یاد آ گیا جس میں اسکا دوست جان کی بازی ہار گیا تھا مگر اللہ نے اسکو موت کے منہ سے نکالتے ہوئے زندگی دی تھی اسے اپنی ننھی بیٹی کی کیوٹ کیوٹ شرارتیں یاد آنے لگیں نہ جانے کتنے دنوں کتنی تکلیفوں کے بعد اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر آئی اپنی بیوی کا پیار اپنی ماں کی دعائیں ہر مثبت چیز کی یاد نے اسکے اندر جینے کی تڑپ پیدا کر دی اس نے ہسپتال کے بھیانک ماحول کو اپنے دل کے ماحول سے شکست دینے کی ٹھان لی۔وہ کورونا کے مریض سے مریضِ عشق میں بدل گیا جینے کے عشق میں بچوں کے عشق میں اللہ پر ایمان مضبوط کرتے ہوے لیٹے لیٹے اس نے اپنے بازو کو ہوا میں بلند کر کے مٹھی کو بند کرتے ہوئے فاتحانہ انداز میں جھٹکا دیا جیسے اپنی فتح کا اعلان کر رہا ہو انجانی طاقت نے اسے نماز پڑھنے پر لگا دیا ڈاکٹر دیکھ کر حیران رہ گیا چند دنوں میں وہ پھول کی طرح کِھل اُٹھا چودہ دن بعد رپورٹ کروائی گئی زندگی جیت چکی تھی کورونا ہار گیا تھا وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا خوشی سے اُچھلتا کودتا بھاگتا دوڑتا وہ اپنے گھر داخل ہوا تو سب سے پہلے اپنی کیوٹ سے بیٹی کے لیے بانہیں کھول دیں جسکی معصوم شرارتوں نے بسترِ مرگ پر بھی اسکے ہونٹوں پر ہنسی بکھیر دی تھی آ میری طاقت آ میری ہمت گلے سے لگ جاؤ تمہارے لیے کورونا تو کیا میں پوری دنیا سے بھی لڑ جاؤں۔کورونا سے زیادہ جان لیوا وہ ماحول ہے جو ہم نے کورونا کے مریضوں کے لیے بنا رکھا ہے اگر ہم اس خطرناک ماحول کو اپنے مضبوط اعصاب کے ماحول سے شکست دے پائیں تو ہم ان ہزاروں میں ہونگے جو بچ جائینگے ورنہ ان ہزاروں میں ہونگے جو مر جائیں گے اور اپنی فیملی کو روز روز مرنے کے لیے چھوڑ جائیں گے ویسے بھی کہتے ہیں کہ ڈر کے آگے جیت ہے اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ارمان عثمانی

کسی درد مند کے کام آ کسی ڈوبتے کو اُچھال دے
یہ نگاہ لطف و کرم کبھی کسی کم نصیب پہ ڈال دے
مُجھے مسجِدوں کی خبر نہیں، مُجھے مندِروں کا پتہ نہیں
میری عاجزِی کو قبُول کر، مُجھے اور درد و ملال دے
یہ جو مے کشی کا غرُور ہے، یہ میرے دِل کا سُرور ہے
میرے میکدے کو دوام دے، میرے ساقِیوں کو جمال دے
میں رہِ وفا کا غبار ہوں، میں فقیر دل کی پکار ہوں
کہیں بکھر جاؤں نہ اے خدا، مجھے دامنِ یار میں ڈال دے
میں تیرے وِصال کا کیا کرُوں، میری وَحشتوں کی یہ موت ہے
ہو تیرا جنُوں مجھے پھر عطا، مجھے جَنتوں سے نِکال دے
تری یاد دل سے نکال دوں میں ترا خیال بھی چھوڑ دوں
یہ خیال امرِ محال ہے، یہ خیال دل سے نکال دے
مرے حال پہ یہ کرم کیا کہ غموں کا سوز عطا کیا
کوئی ایسا ساز بھی دیجئے جو فغاں کو نغموں میں ڈھال دے

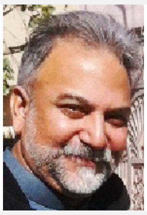

پاکستان: عطاء اللہ شاہ بخاری سے ڈاکٹر عارف علوی تک

طارق احمد مرزا

جب محترم عارف علوی صاحب، صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان نے چند ہفتے قبل حامد میر نامی صحافی کو ایک انٹرویو کے دوران توانائی کے شعبے کی انکوائری رپورٹ سے متعلق فرمایا کہ قوم کے ساتھ ریپ نہیں بلکہ گینگ ریپ ہوا ہے، تو سوشل میڈیا میں ایک شور برپا ہو گیا کہ صدر مملکت کو ایوان صدر میں بیٹھ کر اس قسم کی لچر، بیہودہ، بازاری وغیرہ قسم کی زبان استعمال نہیں کرنا چاہیئے تھی۔ یہ شور مچانے والے بھول گئے تھے کہ عارف علوی صاحب امریکہ یا فرانس کے صدر نہیں بلکہ ان پاکستانیوں کے ہی صدر ہیں۔ جیہاں ان کے ہی جنہوں نے انہیں صدر مملکت اور ان کی جماعت کے ایک اور ممبر کو وزیر اعظم کے عہدہ تک پہنچایا ہوا ہے۔ تنقید کرنے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ شامل تھے جن کے اعصاب پر ہمہ وقت عورت اور جنسی تعلقات، جنسی ریپ، گینگ ریپ وغیرہ سوار رہتا ہے۔ خود اپنی روزمرہ گفتگو میں وہ سو سو بار دوسروں کو بلکہ پالتو جانوروں حتیٰ کہ دھکا سٹارٹ موٹر کاروں، شور مچاتی واشنگ مشینوں اور زنگ آلود اوزاروں تک کو ماں بہن بیٹی کی گندی گالیاں بکتے رہتے ہیں، لیکن جب صدر مملکت کی زبان سے ریپ کا لفظ سن لیا تو انہیں فٹ سے تقدیس ناموس نسواں، تہذیب و آداب اور پتہ نہیں کیا کیا یاد آ گیا۔ احقر کی رائے میں صدر مملکت محترم عارف علوی صاحب کو ان کے اس حقیقت پر مبنی بیان پر تنقید کا نشانہ بنانا ہرگز درست نہیں۔

قوم کے ساتھ اگر یہ نہیں ہوا تو بتائیے کیا ہوا ہے؟۔ قوم کو اپنی بہن بنا کر اس کے لیئے جہیز کا سامان جمع کرنے کا تکلف تو بہر حال اب تک کسی نے نہیں کیا، نہ ہی نکاح مسنونہ پڑھوا کر گھر کی عزت بنا کر رکھا ہے۔ ہاں، ہوا ہے تو یہ ضرور ہوا ہے کہ ہماری جڑواں بہن اس گھر سے بھاگ کر اور اپنا نام تبدیل کر کے بنگلہ دیش رکھ کر اقوام عالم کے دارالامان میں عزت کی زندگی گزارنا شروع کر چکی ہے، جبکہ ہمارے ساتھ وہ عمل جاری و ساری ہے جس کی نشاندہی صدر محترم نے کی ہے۔

دراصل لوگوں کو علم ہی نہیں تھا کہ می ٹو کی ہیش ٹیگ مہم میں ہماری اپنی مادرِ وطن بھی شامل تھی اور ہے۔ چونکہ اس کے ہاتھ پاؤں ابھی تک بندھے ہوئے ہیں، مونہہ میں رومال بھی ٹھنسا ہوا ہے اور اس کا کوئی ٹوٹر اکاؤنٹ بھی نہیں اس لئے آپ کو اس بیچاری کے ساتھ ہونے والی واردات (جو جاری وساری ہے) کا کوئی احساس بھی نہیں ہو سکا اور نہ ہونا ہے۔

بھلا ہو محترم ڈاکٹر عارف علوی صاحب کا جنہوں نے ایوان صدر کے اندر جا کر اس بے بس اور لاچار مادر وطن کی طرف سے اس ہیش ٹیگ کا بٹن دبانے کا فریضہ سرانجام دے دیا ہے۔ جن لوگوں کو ابھی بھی بات سمجھ نہیں آسکی ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر آپ کے مقبول ترین اور جیّد عالم ہماری مادر وطن پاکستان کو بازاری عورت قرار دے سکتے ہیں تو اس بازاری عورت کا ریپ بلکہ گینگ ریپ نہیں ہو سکتا؟۔ اس پر برا منانے کی بجائے اس بیچاری عورت کی مدد کریں، نہ کہ صدر مملکت کی مذمت میں ٹائم لگا کر خود کو اور دوسروں کو دھوکہ دیں کہ منہہ زبانی صدر پاکستان پر تنقید کر کے ہم نے حقوق نسواں سے متعلق اپنا کوئی نام نہاد فرض پورا کر لیا۔

واضح کر دوں کہ خاکم بدھن راقم اپنی مادرِ وطن کو کوئی نام ہرگز نہیں دے رہا (نہ میرے نزدیک کوئی عورت بازاری ہوتی ہے)۔ یہ نام تو اس قوم کے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے اس کو دیا تھا، یہ کہہ کر کہ پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔

(منیر انکوائری رپورٹ۔ شائع کردہ نیا زمانہ پبلیکیشنز ص 398)

اس بیان کے خلاف آج تک کوئی بھی بپھرا ہوا متشدد محب وطن احتجاجی ہجوم یا بات کو اصطلاحاً حقوق نسواں کی طرف پھیرنے والا شمع بردار جلوس پاکستان کی سڑکوں پہ نہیں نکلا، گویا حضرت امیر شریعت کا یہ بیان اس قوم نے اسی طرح قبول کر لیا ہوا ہے جس طرح حضرت نے پاکستان کو قبول کر لیا تھا بلکہ پاکستان کی تو منتخب مقننہ کے اجلاس میں اسی مبینہ بازاری عورت سے مجبوری احراری شوہر حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام بڑے فخر سے گلا پھاڑ پھاڑ کر لیا جاتا ہے اور اس پر پوری مقننہ کی طرف سے داد و توصیف کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔

قارئین کرام ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ بعض شرفاء اور خداترس افراد اُس بازار سے تعلق رکھنے والی عورتوں کو باعزت زندگی عطا کرنے اور ان کی تحریم و تقدیس، جس کی وہ حقدار تھیں، لوٹانے کے لئے باقاعدہ بیاہ کر اپنا بنانے

اور اسے ایک گھر دینے کا ذریعہ یا باعث بنے۔لیکن حضرت امیر شریعت والی بازاری عورت کا المیہ یہ رہا ہے کہ اس کا واسطہ ایسے افراد سے ہے جو حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہیں: فرمایا پاکستان لاکھوں ،کروڑوں ڈاکوؤں، لٹیروں، قاتلوں، زانیوں اور سخت کمینہ صفت ظالموں سے بھرا ہوا ہے۔

(ترجمان القرآن جلد 31 ص 59)

تو خود ہی اندازہ کر لیں کہ ان لاکھوں کروڑوں زانیوں نے مل ملا کر اس مبینہ بازاری عورت کا گینگ ریپ ہی تو کرنا ہے، اسے والدہ ماجدہ تو نہیں بنانا، تو صدر مملکت کے بیان پر غصہ کیسا۔

سوشل میڈیا پہ کچھ افراد نے صدر مملکت کا دفاع کرتے ہوئے درست کہا ہے کہ دراصل جس معاشرہ میں کوئی فعل یا عمل کثرت سے ہو رہا ہو تو ایسا عمل ایک روزمرہ کا محاورہ یا اصطلاح بن جاتا ہے۔اسے کسی مخصوص مظلوم طبقہ کی ہتک نہ سمجھا جائے۔

مزید سنیئے: مزاج شناسِ رسول حضرت مولانا مودودی صاحب بعد از تحقیقِ عمیق اس قوم اور معاشرہ کی مزید کیا تفصیلات جاری فرماتے ہیں: بازاروں میں جایئے مسلمان رنڈیاں آپ کو کوٹھوں پر بیٹھی ہوئی نظر آئیں گی اور مسلمان زانی آپ کو گشت لگاتے ہوئے ملیں گے۔جیل خانوں کا معائینہ کیجیئے ،مسلمان چوروں، مسلمان ڈاکوؤں اور مسلمان بدمعاشوں سے آپ کا تعارف ہوگا۔دفتروں اور عدالتوں کا چکر لگایئے رشوت خوری، جھوٹی شہادت، جعلسازی، فریب کاری، ظلم اور ہر قسم کے اخلاقی جرائم کیساتھ آپ لفظ مسلمان جُڑا ہوا پائیں گے۔سوسائٹی میں پھریئے کہیں آپکی ملاقات مسلمان شرابیوں سے ہو گی، کہیں آپکو مسلمان قمار باز ملیں گے، کہیں مسلمان سازندوں، اور مسلمان گویّوں اور مسلمان بھانڈوں سے آپ دو چار ہونگے۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم صفحہ 29،28)

تو خود ہی دیکھ لیں کہ یہ معاشرہ کس قسم کا ہے اور اس کا عام ماحول کس قسم کا ہے ،اس کی روزمرہ کی اقدار اور معمولات کیا ہیں۔پتہ نہیں اس معاشرے کو اکڑ خانی کا اتنا شوق کیوں ہے؟۔قائداعظم نے کیا انہی مسلمانوں کو ایک الگ ملک بنوا کر دینا تھا؟۔

اصطلاحی، اخلاقی اور تاریخی حقائق پر تو سیر حاصل بحث ہو چکی اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا توانائی سیکٹر اور اسی طرح گنے، چینی، گندم، آٹا وغیرہ سیکٹرز کی ٹڈی دل رپورٹیں سرِعام آنے کے بعد یہ ہیرا پھیریاں۔چوریاں، سینہ زوریاں، ذخیرہ اندوزیاں وغیرہ یعنی قوم کا گینگ ریپ رک جائے گا؟۔بالکل نہیں۔

مادرِ وطن کے معرض وجود میں آنے سے چند روز قبل گیارہ اگست 1947ء کو ہمارے فادر آف نیشن نے ذخیرہ اندوزوں، بلیک مارکیٹ والوں ،رشوت خوروں اور چوروں کو قبل از وقت متنبہ کرتے ہوئے بینگ دہل اعلان فرمایا تھا کہ نہیں چھوڑونگا!۔خود تو وہ دنیا ہی چھوڑ گئے لیکن آج تہتر برس بعد بھی ان کا خود ساختہ سیاسی بیٹا عمران خان بھی اپنے ہر پیشرو کی طرح یہی نعرہ لگا رہا ہے کہ نہیں چھوڑونگا! مجھے گوگل کرتے ہوئے قیام پاکستان کے دو سال بعد سنہ 1949ء کی پنجاب حکومت کے محکمہ فوڈ سپلائیز کا جاری کردہ ایک اشتہار بھی ملا ہے جو لاہور کے کسی اخبار میں شائع ہوا تھا۔اس میں بھی یہی نعرہ لکھا ہوا ہے کہ خبردار! چور بازار والو!، ذخیرہ اندوزو! اور بددیانت ملازمو!۔غالباً آگے یہ لکھنا بھول گئے تھے کہ دیکھنا، کہیں پکڑے نہ جاؤ!۔قصہ مختصر یہ کہ تہتر سالہ مبینہ بازاری عورت کا مبینہ گینگ ریپ جاری و ساری ہے اور رہے گا۔پتہ نہیں اس کے نصیبوں میں بھی کوئی دارالامان لکھا گیا ہے یا نہیں؟

***

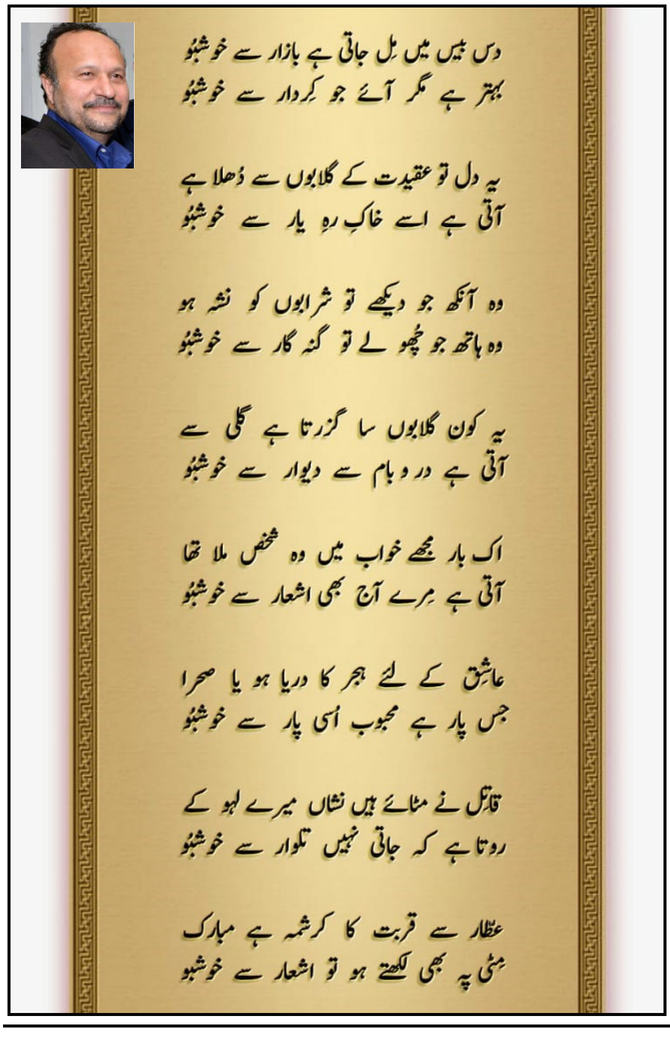

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

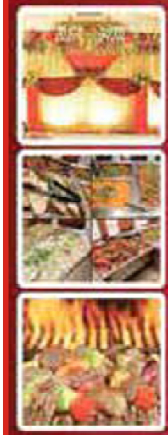

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday
Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU

ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- یورپین قانون
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ویزا میں تبدیلی
- اوورسٹیئرز
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ورک پرمٹ
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- جوڈیشل ریویو
- ٹرائبیونل اپیل
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈو، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE